

تعمیر حیات

دعوت کا کام

دعوت کا کام ایک طرف تو بڑے اجر و ثواب کا کام ہے دوسری طرف یہ کام بڑی دانائی، حکمت عملی اور نفس کشی کا بھی ہے، اس کام کے ساتھ خود اپنے کو بھی معیارِ صلاح و احتیاط پر رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے، کیونکہ بے عمل کی دعوت کا اثر مدعو پر بہت کم پڑتا ہے، اور اسی طرح مدعو کے حالات و مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے حکمت و موقع محل کا لحاظ کر کے بات کرنا ہوتی ہے، اس سلسلہ میں اپنی راحت و پسند کی قربانی بھی دینا پڑتی ہے، ان باتوں کی رعایت کرنے پر بعض وقت بغیر کچھ کہے بھی اثر پڑ جاتا ہے، بعض وقت صاف طریقہ سے بات کہنے کے لئے مناسب وقت کے انتظار میں بڑا صبر کرنا پڑتا ہے اور نصیحت کرنے پر سخت وسست بھی سہنا پڑتا ہے اور اس کو جھیلنا پڑتا ہے۔

(حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم)

Postal Regd. No. LW/NP/63/2006to2008
R. N. I. No. UP. Urd/2001/6071

Fortnightly

Tameer-e-Hayat
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Vol. No. 45 Issue No. 06

Ph. Off. 0522-2740406
Fax: 0522-2741834 - 2741231
E-mail: nadwa@sancharnet.in

25 January, 2008

Mobile: 09415786548

Mohd. Akram
Jewellers



Near Odeon Cinema, Lucknow

Phone: Shop. 0522-2274606
(R) 0522-2616731

محمد اکرم جوائیرس



قب آنگ
مینوفیکچررز

ٹیریس آنگ - ونڈو آنگ = ڈوم آنگ
فکس آنگ - لان آنگ - ڈیمونٹ

سل کراسنگ گوری بازار - سروجنی نگر کانپور روڈ - لکھنؤ

Tel : 0522-2817580 - 9335236026 - 9839095795

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ

خوشبودار عطریات

روغنیات، عریات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشز،
فلور پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ، عرق گلاب،
عرق کیوڑہ، اگریتی، ہربل پروڈکٹ

کی ایک قابل اعتماد دکان :
ایک مرتبہ شریف لاکر خدمت کا موقع دیں

اظہار سن پرفیومرز

IZHARSON PERFUMERS

H.O. - Akbari Gate, Chowk, Lucknow
Tel.: 0522-2255257 Mobile: +91-9415009102
Branch - C-5 Janpath Market, Hazratganj
Lucknow 228001 U.P. INDIA Cell: 9415784932
E-mail: izharsonperfumers@yahoo.com

New

Sana Jewellers

سنا جوائیرس

Riyaz Ahmad
Ghayas Ahmad

Ph: 2266786

۳۰۱/۱۷ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ-۳

301/17, Srai Bans
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

Res: 2226177
Akbari Gate
2268845

Shop: 9415002532
2613736
3958875

سونے چاندی کی دنیا میں ۵۷ سالہ دیرینہ تمام

حاجی صفی اللہ جوائیرس



ملائیات شہرہ

گڑ بڑ جھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ، ہر دو اللہ محمد اسلم

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS

Opp: Gadbad Jhala Aminabad, Lucknow-18

Editor: Shamsul Haq Nadwi Office. Ph: 2740406 Printed & Published by Athar Husain
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph:0522-2614685

DESIGNED BY HAMID, DALIGANGI LUCKNOW, MUMBAI, INDIA

Rs.10/-

۱۱ فروری ۲۰۰۸ء

Ph:2260433

جدید دلکش سونے، چاندی کے زیورات کیلئے ہمارے شوروم

گہنا پالیس

میں آپ کا خیال مقدم ہے

Gehna Palace

Whenever you see Jewellery
Think of us

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد معروف خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

تعمیر حیات

جلد نمبر ۳۵ شماره نمبر ۲

۱۰ جنوری ۲۰۰۸ء / ۲ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا سید محمد راج حسینی ندوی

(ناظم تدوین احکامات)

پروفیسر وحی احمد صدیقی

(مستند مال تدوین احکامات)

زیر نگرانی

مولانا شمس الدین حسینی ندوی

(ناظر عام تدوین احکامات)

مدیر عام

مولانا شمس الحق ندوی

مولانا نذیر الحق ندوی

محمود حسن حسینی ندوی

مجلس مشاورت

• مولانا عبداللہ حسینی ندوی • مولانا محمد خالد ندوی • غازی پوری

• امین الدین شجاع الدین

سالانہ زر تعاون ۲۰۰۶ فی شماره ۱۰

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک کے لئے ۳۰۰ ڈالر

ڈرافٹ مندرجہ حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات مدد اعلاہ لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں، چیک سے بھیجی جائے والی رقم قابل قبول نہ ہوگی۔ اس میں ادارہ کا نقصان ہوتا ہے۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat

P.O.Box No.93 Tagormarg, Badshah Bagh, Lucknow-7

E-mail: nadwa@sancharnet.in Ph: (0522) 2740406

مضمون نگاری کے لئے ادارہ کا متعلق ہونا ضروری نہیں ہے

آپ کے فریادی ہمارے لیے کرائی گئی ہے۔ آپ کا زر تعاون تمہارا حق ہے۔ لہذا ہمدردی زر تعاون ارسال کریں اور کسی ادارہ کو نہیں دینا چاہئے۔ اگر وہاں یا فون پر ہوتا ہے تو اس کے لئے ہمارے ساتھ لکھیں۔ (تعمیر حیات)

پرنٹنگ پبلشر ایلمپریس نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس سہ ماہی و نشریات ٹیکور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

(Hashmat Ali) Tameer-e-Hayat, Lko

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس شمارے میں

شعرو ادب

سکون ہر قلب کا ہے کیف..... غلیل پرتاپ گرجی

اداریہ

پُر امن بقائے باہم یا تہذیبوں کا تضاد..... نذیر الحق ندوی

بصیرت افروز

دعوتی کام کی اہمیت..... حضرت مولانا سید محمد راج حسینی ندوی

اعجاز قرآنی

آیات قرآنی کے چند نمونے..... دکتور عودہ ابو عودہ / محمد سمعان خلیفہ ندوی

کتاب الہی

قرآن کریم کتاب الہی ہے..... پروفیسر عطیہ غلیل عرب

فکرو نظر

انسانیت کی بقا، مگر ازمیں نہیں جوڑ میں ہے..... مولانا سید محمد واضح رشید حسینی ندوی

سائنس کی شکست

ڈی این اے - تخلیق الہی کا کرشمہ..... انجم اقبال

اظہار حقیقت

کامل دین..... مولانا بلال عبدالحی حسینی ندوی

تجزیہ

مغرب کا معاشرتی نظام..... سلمان نسیم ندوی

حالات حاضرہ

ہندوستان کی دو متضاد تصویریں..... انیس احمد ندوی

فقہ و فتاوی

سوال و جواب..... مفتی محمد تقی عالم ندوی

رپورٹ

سر روزہ فکری و تربیتی کمپ..... ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی ندوی

وفیات

وہ عالم بائبل تھے..... مفتی محمد تقی عالم ندوی

تعارف و تبصرہ

رسید کتب..... مہر ح



سکون ہر قلب کا بے کیف بے آرام ہے ساقی

خلیل پرتاپ گڑھی

- ریا کاری بری شے ہے بُرا انجام ہے ساقی
- یہ اخلاص و محبت حق پرستی اور حق گوئی
- خوشامد داد و تحسین دلکش و محبوب ہے اتنی
- تعیش و نیا داری کی جہاں بھی ہو فراوانی
- جو ہو پوشیدگی میں جرم، اس کو کر لیا جائز
- جو دیدیتے ہیں دھوکہ اپنی حکمت سے بزرگوں کو
- سفارش اور رشوت کا جہاں میں بول بالا ہے
- بوڑھے تھے جو گوہر اپنی محنت سے ریاضت سے
- دعائیں تو کس منہ سے کرم چاہیں تو کس دل سے
- مدد کے واسطے کس کو پکاریں کون آئے گا؟
- بلاؤں کا تسلسل ہے مصائب ہیں حوادث ہیں
- زبوں حالی ہے پھیلی چپے چپے میں گلستاں کے
- ہمیں ایمان کی دولت عمل صالح کی ہدایت دے
- دلوں کو پھیر دے ان کے جو فتنہ ساز ہیں یارب
- بھروسہ صرف تجھ پر ہے کہ تو حافظ و ناصر ہے
- مگر دل پاک رکھنا اس سے مشکل کام ہے ساقی
- اگر ہے بھی کہیں تو وہ برائے نام ہے ساقی
- کہ اس میں سچی نیت ہوگئی گنہام ہے ساقی
- وہاں نفسانیت کا زور طشت از بام ہے ساقی
- مثل سچی ہے بد اچھا بُرا بدنام ہے ساقی
- جہاں میں ان کی فطرت پر بڑا انعام ہے ساقی
- نہ ہو اس کا سہارا جس کو وہ ناکام ہے ساقی
- عمل سے دور رہ کر وہ خیال خام ہے ساقی
- اب ایسے میں کرم کرنا ترا ہی کام ہے ساقی
- کہ اب چاروں طرف حالات کا کہرام ہے ساقی
- سکون ہر قلب کا بے کیف بے آرام ہے ساقی
- فضا ساری کی ساری لرزہ بر اندام ہے ساقی
- عجب سی کیفیت اس دل کی صبح و شام ہے ساقی
- کہ دل کو پھیر دینا صرف تیرا کام ہے ساقی
- مدد فرما کہ تو ہی حاکم الحکام ہے ساقی

لگے ساحل سے یا ڈوبے خلیل اب اپنی یہ کشتی

بہر صورت زباں پر بس ترا ہی نام ہے ساقی

☆☆☆☆☆

پُر امن بقائے باہم

یا

تہذیبوں کا تصادم؟

نذرا حفیظ ندوی

انسان اپنی طویل تاریخ میں ہمیشہ خود ساختہ رہنماؤں اور برسر اقتدار شخصیتوں کا کھیل اور مذاق اور قانون سازوں اور دانشوروں کے تجربات کا نشانہ بنا رہا ہے، ایسے لوگوں نے اپنے ہی جیسے انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ایک بچہ کا غد کے کسی پرزہ کیساتھ کرتا ہے وہ کبھی کاغذ کو لپیٹتا اور کبھی پھیلاتا اور کبھی کھولتا اور بند کرتا اور جب جی چاہے پھاڑتا اور جلا ڈالتا ہے۔

ان کے لیے انسانی زندگی، اس کی ترقی کے امکانات، اور اس کے وسیع مضمرات کی کوئی قیمت نہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان میں اطاعت اور فرمانبرداری کی جو صلاحیت و دعوت فرمائی ہے اور قائدین پر اعتماد و جاں نثاری کی جو صفت رکھی ہے اس کے سلسلے میں انہوں نے نہ خدا ترسی سے کام لیا نہ حق و انصاف کے تقاضے پورے کئے، نہ کسی تعلق و ذمہ داری کا لحاظ کیا، اُسے انہوں نے اپنی خواہش و منشا کا آلہ کار اور قیادت و سیادت اور اغراض کا ذریعہ بنا لیا، ان قائدین کی کوتاہ نظری، خطا کاری و گمراہی اور غلط فہمی و غلط بیانی، نفس پرستی و بوالہوسی، انفرادی و اجتماعی انسانیت، قومی و وطنی عصبیت نے بد قسمت انسان کے سر پر طویل بد بختی اور مصیبت لاد دی ہے، انہوں نے اپنے اخلاص و بصیرت، خلاق دوستی اور احترام انسانیت کے بارے میں مستقل شبہات پیدا کر دیئے ہیں اور اس بات کی اب کوئی ضمانت نہیں رہی کہ انسانیت ان کے زیر سایہ پھل پھول سکتی ہے۔ تاریخ انسانی ان المیوں اور رسوائیوں اور ایک ساتھ ہنسانے اور زلزلے والے واقعات سے بھری ہوئی ہے اور مشرق و مغرب میں آج بھی اکثر قومیں انہی طالع آزمائش نظریہ قائدین کے رحم و کرم پر زندگی گزار رہی ہیں جو اس سے کھیلنے، اُسے گیند کی طرح لڑھکاتے اور اس سے روز نئے تجربہ کرتے رہتے ہیں اور پھر خود ہی ان تجربات و غلطیوں کی ناکامیوں کا اعتراف بھی کرتے ہیں، کبھی ان سے اقتدار حاصل کرنے والا اور ان کا جانشین نہیں رہتا اور ان کے کرتوتوں سے پردہ اٹھاتا ہے اور کبھی تاریخ انہیں محفوظ کر دیتی اور آنے والی نسلیں ان سے واقف ہو جاتی ہیں۔

مغربی قوموں کی ماضی کی تاریخ جس قدر وحشت و بربریت اور انسان دشمنی سے بھری ہوئی ہے اس سے کہیں زیادہ ان قوموں کی وہ دو سو سالہ تاریخ ظلم و سفاکی سے بھری ہوئی ہے جو ان کے اعتبار سے بڑا مہذب اور ترقی یافتہ دور ہے، اور جہاں شاعر کے الفاظ میں بجلی کی روشنی

میں اندھیر ہی اندھیر ہو رہا ہے، پہلی اور دوسری عالمگیر جنگ کی ہولناکی نے ان مہذب قوموں کے ضمیر کو ذرہ برابر بھی متاثر نہیں کیا بلکہ ان کے منہ کو انسانوں کا خون ایسا لگ گیا کہ ویتنام میں اس تباہ کن جنگ کی یاد کو پھر تازہ کیا گیا، اور اب اکیسویں صدی میں افغانستان و عراق کو ملیا میٹ کر کے وحشت و بربریت اور ظلم و سفاکی کی ایسی تاریخ لکھی جا رہی ہے جس کو نئی نسل پچشم خود مشاہدہ کر رہی ہے، لیکن سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ماضی کی طرح یہ جنگی قومیں اب بھی نہ صرف اپنی درندگی پر فخر کر رہی ہیں بلکہ رومی بادشاہوں کی طرح سکتے، کراہتے اور مرتے انسانوں کو دیکھ کر لطف اندوز بھی ہو رہی ہیں، اور اپنے گناہ کا سارا بوجھ مظلوموں پر ڈال رہی ہیں اور اس پر انہیں اصرار بھی ہے۔ چنانچہ اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لیے ان قوموں نے اسلام اور مسلمانوں کی خلاف مسلسل مہم چلا رکھی ہے ان کو ہر قیمت پر دہشت گرد ثابت کرنے اور مسلمانوں کے خلاف خوف و دہشت اور نفرت کی فضا پیدا کرنے پر تلی ہوئی ہیں، ان کی اسلام دشمنی کی تازہ مثال پھر ڈنمارک سے آئی ہے جہاں ویب سائٹ کے ذریعہ قرآن مجید اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک نئی مہم کا آغاز کر دیا گیا ہے، اس لیے کہ دو سال پہلے اہانت آمیز کارٹون کے ذریعہ جو مہم چلائی گئی تھی وہ نہ صرف بری طرح ناکام ہوئی بلکہ اس کے شر سے خیر کا پہلو سامنے آیا اور عالمگیر پیمانہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شخصیت اور ان کی تعلیمات سے واقفیت اور اسلام کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کر کے حقائق تک رسائی کی زبردست لہر پیدا ہوئی، اس کی وجہ سے ایک طرف تو سیرت نبوی پر مختلف زبانوں میں نئے انداز سے کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں دوسری طرف صنم خانوں سے کعبہ کو نئے پاسبان ملنے کی رفتار تیز ہو گئی، تیسری طرف اقوام متحدہ اور یورپی ملکوں کے تحقیقاتی اداروں کے ذریعہ یورپ کے مسلمانوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ اور مستقبل میں مغربی قوموں کی تہذیب و ثقافت پر اس کے دور رس اثرات کا مطالعہ کرنے کے بعد مغربی دانشوروں کو اسلام کے بارے میں خوف و دہشت کا دورہ پڑنے لگا ہے۔ وہ یہ سوچنے لگے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو یورپ میں ایک آزاد شہری کی حیثیت سے سارے حقوق دے دیئے جائیں گے تو مغربی تہذیب و ثقافت کا جنازہ نکل جائے گا، اس سروے میں اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ آئندہ چالیس پچاس سالوں میں مغربی ملکوں کی آبادی میں مسلمانوں کا عنصر بڑھ جائے گا، اسی کے ساتھ اسلامی ملکوں سے مزید افرادی قوت کو لانے کی ضرورت ہوگی تاکہ صنعتی اداروں کو چلایا جاسکے اور آبادی کے عدم توازن کو دور کیا جاسکے، اس سروے کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یورپ میں اس وقت مسلمانوں کی جو تعداد ہے ان میں پچاس فیصدی ایسے لوگ ہیں جو یورپ ہی میں پیدا ہوئے دوسری خاص بات یہ ہے کہ فرانس، جرمنی، اٹلی، بلجیم میں سولہ سے لے کر پچیس سال تک کے مسلمان نوجوانوں کا تناسب پندرہ سے پچیس فیصدی تک ہے اور یہ سب اعلیٰ تعلیم یافتہ اور وہاں کی زندگی میں عملی طور پر سرگرم ہیں، اس صورت حال سے مغربی دانشوروں کو غیر معمولی پریشانی ہے اس سے سلسلے میں ان کے اندر دو نقطہ نظر پائے جاتے ہیں، ایک تعداد وہ ہے جو مسلمانوں کے ساتھ تصادم اور کشمکش کا مشورہ دیتی ہے، اور ایک تعداد اس کے برعکس ایسی بھی ہے جو تازہ ترین سروے کے مطابق، مسلمانوں کے ساتھ ربط و تعلق اور ان کے ساتھ پُر امن طریقے سے رہنے کا مشورہ دیتی ہے۔

(جاری)

دعوتی کام کی اہمیت

(زر)

اس کی حکمت عملی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

بالمعروف وبتہون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔
(آل عمران: ۱۱۰)

تم واقعتاً بہترین امت ہو، جو لوگوں یعنی سب انسانوں کے لیے بھیجی گئی ہے، تم اچھی بات کا حکم دیتے ہو اور بری بات سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔
اس آیت میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس امت کو بہتر امت قرار دے کر دیگر انسانوں پر مقرر کیا گیا ہے اور اس کی بناء پر وہ کام جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء سے لیتا تھا اس کی انجام دہی اس امت کے سپرد کی ہے پھر اس کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ تم یعنی اس امت کے افراد اللہ پر ایمان رکھتے ہو، یہ بات کہ تم بہترین امت اور تمام انسانوں کے لیے مامور کئے گئے ہو، اس سے ظاہر ہوا کہ اس امت کا بہترین یعنی بلند منصب رکھنے والی امت ہونا پھر نبیوں سے لیے جانے والے کام کی انجام دہی اس کے سپرد کیا جانا پھر ایمان کی صفت سے باقاعدہ متصف ہونا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کئے گئے ایمان و یقین سے آراستہ ہونا، یہ تین خاص پہلو ہیں جن کو نمایاں طریقہ سے بیان فرمایا گیا ہے، یہ بلند منصب اور اہم کام کی انجام دہی کی ذمہ داری وہ اہم مقام اور کام ہے جو امت محمدیہ کے لیے دیگر امتوں کے مقابلہ میں تمغہ امتیاز ہے لیکن یہ اسی وقت صحیح اور مطابق واقعہ ہوگا جب مسلمان اپنی ذمہ داری کو پورا کریں، یہ ذمہ داری دینی دعوت کا کام انجام دینے کی ہے، اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ہر دور میں اور ہر ملک میں یہ کام

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اپنے سے پہلے کی مسلمان امتوں پر یہ امتیاز حاصل ہے کہ سابقہ امتوں میں انبیاء علیہم السلام کے بھیجے جانے کا سلسلہ قائم تھا، اللہ تعالیٰ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی بھیجتا تھا، جو دین صحیح کی دعوت کا کام کرتا تھا، ہر نبی کے امتی اپنے نبی کے کام میں ہاتھ بٹاتے تھے اور دعوت دین کے کام میں شرکت کرتے تھے، لیکن حضور مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبیوں کا بھیجنا موقوف کیا گیا اور وہ کام جو پہلے درپے درپے نبی بھیج کر کرایا جاتا تھا، چونکہ آخری نبی کے آجانے سے دین مکمل ہو گیا اس کی رو سے آخری نبی کے لائے ہوئے آخری پیغام خداوندی کو قیامت تک جاری رہنا ہے، اس لیے اب جو کام ہونا تھا وہ اسی دین کے اندر ہونا تھا، لہذا اس کے لیے اب آپ کے بعد قیامت تک کی نیابت آپ کی امت کے سپرد کی گئی، قرآن مجید میں حکم آیا ہے:

﴿وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (سورہ آل عمران: ۱۰۴)

(تم میں ضرور ایک امت یعنی ایک بڑی تعداد میں لوگ ہونے چاہئیں جو دعوت الی الحق کا کام کریں، اچھی بات کا حکم دیں، بری بات سے منع کریں اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔)

اور فرمایا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بھی دکھا دیا کہ ان کی عزت و عظمت دراصل اسلام کو تقویت پہنچانے اور اس کی خدمت سے وابستہ ہے، جو اس کو اس کے معیار کے مطابق اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو عظمت و برتری عطا کرے گا، بصورت دیگر اللہ تعالیٰ اس کو ہٹا کر دوسروں سے یہ کام لے لے گا، چنانچہ اس کام کے طفیل میں کبھی دمشق کو عظمت ملی، کبھی بغداد کو، کبھی قریطہ کو، کبھی قاہرہ کو، کبھی دہلی کو، پھر قوموں سے ہٹ کر افراد امت سے بھی خصوصی کام لیا گیا، حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت حسن بصری، سیدنا عبدالقادر جیلانی، شیخ جلال الدین رومی، حضرت مصعب الدین چشتی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت سید احمد شہید اور اسی طرح متعدد عظیم شخصیتوں کی کوششوں نے دین کی دعوت اور اصلاح امت کے لیے جو خدمات انجام دیں، اس کے ذریعہ دین کو وہ تقویت ملی جس کی ضرورت تھی، چنانچہ دین اپنی صحیح حالت میں جاری ہے، البتہ اس کے لیے کام کرنے

والوں کے کاموں میں جو کمی بیشی ہوتی رہی اس کی وجہ سے دین کی عظمت و وسعت میں کمی بیشی ہوتی رہی، اسی کا اثر یہ رہا کہ کبھی دین اور دین کے داعیوں کی عظمت بڑھی ہوئی نظر آتی اور کبھی اس کی عظمت میں کمی نظر آتی، لیکن یہ دین کم و بیش طریقہ سے برابر قائم و دائم رہا اور قائم ہے، جس قوم اور جن افراد کو دعوت و تقویت دین کی توفیق حاصل ہوئی اس کو اس کے فضیل عزت و برتری ملتی رہی ہے، اور جو کوتاہی کرتا رہا اس کو زوال اور پستی ماندگی حاصل ہوتی رہی ہے، چنانچہ جب اور جہاں دعوت کا کام ڈھیلا پڑا اور کم ہوا یا متروک ہوا وہاں اسی کے اعتبار سے مسلمانوں کی عزت کا مقام کم ہوا اور جہاں توجہ و فکر کی گئی وہاں اس کی عظمت و وسعت میں اضافہ ہوا۔

انڈس جو ایک جنت ارضی کے مانند تھا اور جہاں مسلمانوں کی علمی و ذوقی ترقی اس معیار کو پہنچی تھی کہ اس وقت ساری دنیا اس کو دیکھ کر مرعوب و متاثر تھی اور یورپ کی موجودہ علمی و مادی ترقیات کا آغاز وہیں کی خوش چینی سے ہوا، جس کو تمام ماہرین تاریخ و علم و تمدن مانتے ہیں، وہاں کے مسلمانوں نے سب کچھ کیا تھا، لیکن دعوتی فریضہ انجام دینے میں شاید کمی تھی، اور وہ وہاں برابر چھوٹی ہی تعداد میں رہے اور جب اکثریت و اقلیت کے اصول کے دائرہ اثر میں آئے تو اولاً جمہور و مقہور ہوئے پھر بالآخر ملک سے ہجرت کرنا پڑی، لیکن برصغیر ہندو پاک میں اگرچہ انڈس ہی کی طرح مسلمانوں کی حکومت سات سو سال رہی اور یہاں حکمرانوں نے عوام کو اپنا بنوا بنانے کے لیے طرح طرح کے سیکولر طریقے بھی اختیار کئے تھے، لیکن بادشاہوں نے یہاں اکثریتی عوام کے مشترک مذہب کی متعدد باتوں کو اسلام میں ملا کر ایک مشترک مذہب بھی بنایا، مزید یہ کہ یہاں کے اکثریتی مذہب کے اہم لوگوں میں خسر داماد کے رشتے بھی قائم کئے لیکن اس کا نتیجہ غیروں کی طرف سے بجائے قدر دانی کے آج یہ ہے کہ خوب گالیاں مل رہی ہیں اور مسلمان بادشاہوں کو ہندوؤں پر ظلم و تعدی کا مرتکب بتایا جا رہا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہاں انڈس کے برعکس دین

کے علمبرداروں اور داعیوں نے اپنی اپنی جگہ ملک میں پھیل کر دنیاوی اور سیاسی منافع سے الگ رہتے ہوئے جم کر دعوت کا کام کیا، آج انڈس کی برکت ہے کہ اس برصغیر میں مسلمانوں کی اچھی پوزیشن ہے اور دینی علمی کام ہے اور انڈس کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ جبکہ اس برصغیر میں باہر سے آنے والے مسلمانوں کی کل تعداد چالیس ہزار سے زیادہ نہیں تھی لیکن اب ان کی تعداد اس برصغیر میں چالیس بیالیس کروڑ ہے، ۱۳-۱۳ کروڑ ہندوستان میں ۲۶-۲۷ کروڑ پاکستان و بنگلہ دیش میں، یعنی باہر سے آنے والوں کو دیکھتے ہوئے ایک اور دس ہزار کا فرق رکھتی ہے، یعنی ایک آدمی اگر باہر سے آیا ہوا ہوگا تو ۹۹۹۹۹۹۹۹ میں اسی ملک کے ہیں، ان میں سے کچھ تو وہ ہوں گے جو باہر سے آنے والوں کی نسل سے ہیں، لیکن اکثر و بیشتر وہ لوگ ہیں جو اسلام کی محبت و انسانیت نوازی کی اداؤں کو دیکھ کر حلقہ گوش اسلام ہونے والوں کی اولاد ہیں، دین کے علمبرداروں اور داعیوں کی بے لوث کوششوں کے اثر سے آج اس برصغیر میں مسجدوں کی تعداد لاکھوں تک ہو چکی ہے، اور مدرسے و مکاتب ہزاروں کی تعداد میں ہیں، جن سے علم دین کی شعاعیں قریب و دور پھیلتی رہی ہیں، حتیٰ کہ ان کا فیض برصغیر سے نکل کر ایشیا کے وسطی شمالی و مشرقی ملکوں تک پہنچتا رہا ہے اور امت اسلامیہ کے علوم و تصانیف میں ان مسلمانوں کا جو موقع حصہ ہے وہ بھی قابل فخر ہے، لہذا یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ دعوت کا کام مسلمانوں کا اصل امتیاز اور اہم ترین فریضہ ہے اور اس کام سے وابستگی سے ان کی بقاء و ترقی وابستہ ہے، اسی کے ساتھ ایمان کی بھی وہ خصوصیات بھی ہونا ضروری ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے وہ مستحق ہوں، وہ عقیدہ کی بھی اور عملی بھی ہونے کی ضرورت ہے، یہ دونوں باتیں جس قدر ہوں گی کامیابی اور سرخروئی ملے گی اور جب اس میں کمی ہوگی، نقصان کا باعث ہوگی۔

دعوت کے کام میں جو اجر بتایا گیا وہ شاید ہی کسی اور عمل میں بتایا گیا ہوگا، دعوت کے نتیجہ میں جو کسی شخص

کی اصلاح اور عمل صالح کو اختیار کرنے کی صورت پیدا ہوتی ہے اور عمل کرنے والے کو اس پر جو اجر و ثواب ملتا ہے، اس کے بقدر دعوت دینے والے کو بھی ملتا ہے، اس مضمون کی کئی حدیثیں آئی ہیں، دعوت وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ ایک آدمی صرف اپنے ہی عمل کے ثواب کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ ان تمام لوگوں کے ثواب کا بھی مستحق بن جاتا ہے جو اس کے کہنے اور متوجہ کرنے سے حق قبول کرنے والے اور عمل خیر کرنے والے بن گئے، وہ دو چار بھی ہو سکتے ہیں، سیکڑوں اور ہزاروں بھی ہو سکتے ہیں، اس طرح امت میں بعض حضرات کے ثواب کا اندازہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے، جن کی دعوت کے اثر سے ہزاروں اور لاکھوں کی اصلاح ہوئی، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا ثواب حاصل ہو رہا ہوگا، خود ان کے عمل کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، پھر ساری امت کے اعمال کے ثواب کے برابر بطور مزید ان کو ملے گا، چونکہ سب اصلاً ان ہی کی دعوت کا نتیجہ ہے۔

لیکن دعوت کا کام ایک طرف تو بڑے اجر و ثواب کا کام ہے دوسری طرف یہ کام بڑی دانائی، حکمت عملی اور نفس کشی کا کام بھی ہے، اس کام کے ساتھ خود اپنے کو بھی معیار اصلاح و احتیاط پر رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے، کیونکہ بے عمل کی دعوت کا اثر مدعو پر بہت کم پڑتا ہے، اور اسی طرح مدعو کے حالات و مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے حکمت و موقع عمل کا لانا کر کے بات کرنا ہوتی ہے، اس سلسلہ میں اپنی راحت و پسند کی قربانی بھی دینا پڑتی ہے، ان باتوں کی رعایت کرنے پر بعض وقت بغیر کچھ کہے بھی اثر پڑ جاتا ہے، بعض وقت صاف طریقہ سے بات کہنے کے لیے مناسب وقت کے انتظار میں بڑا صبر کرنا پڑتا ہے اور نصیحت کرنے پر سخت دست بھی سنا پڑتا ہے، اور اس کو جھیلنا پڑتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ کام مشکل اور مجاہدہ کا کام بن جاتا ہے، لیکن اس کے لیے جو اجر بیان کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، اس کا

دھیان کرنے پر ساری زحمت کا فور ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کو خیر و صلاح کی طرف دعوت دینے میں اتنی زحمت و حکمت کی ضرورت نہیں ہوتی جتنی غیر مسلموں کو حق کی راہ پر لانے میں ہوتی ہے، وہاں اس کام میں زیادہ حکمت عملی، خوش اخلاقی اور موقع عمل کے لحاظ کی ضرورت ہوتی ہے، حضرت نوح علیہ السلام نے نو سو پچاس سال محنت کی، اور توجہ برداشت کے ساتھ کام میں لگے رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دہائی سے زیادہ وقت اس کام میں صرف کیا، طرح طرح کی ایذا رسانی برداشت کرنا پڑی، لیکن بہت درمندی اور بردباری کے ساتھ کام میں لگے رہے، آپ پر گندگی پھینکی گئی اور آپ مشتعل نہیں ہوئے، آپ کو پاگل، جادوگر اور مشد کہا جاتا اور آپ صبر و سکون کے ساتھ سب سنتے اور نظر انداز کرتے، پھر مستزاد یہ کہ کہنے والے خاندان کے ہی لوگ تھے، اور آپ خاندانی عزت و اثر میں ان کہنے والوں سے کم بھی نہیں تھے، اگر چاہتے تو سخت جواب دیتے اور دانت کھٹے کر دیتے لیکن آپ نے دعوت کی مصلحت کی خاطر برداشت کیا، اور جب بھی موقع مناسب پایا، بڑے سے بڑے مخالف سے مل کر بہت خوش اسلوبی سے بات کہی، لیکن آخر میں جب ان عزیز و اقارب نے مکہ میں آپ کا رہنا مشکل بنا دیا تو اپنے پروردگار کی اجازت و حکم سے ہجرت فرمائی اور مکہ چھوڑتے ہوئے وطن عزیز کو خیر باد کہنے کا جو اثر طبیعت پر ہوتا ہے وہ برداشت کیا، جو آپ کے اس جملہ سے ظاہر ہوتا ہے جو آپ نے وطن چھوڑتے ہوئے فرمایا کہ اے مکہ! ہم تم کو نہ چھوڑتے لیکن تمہارے رہنے والوں نے ہم کو رہنے نہیں دیا، مکہ آپ کا وطن ہی نہ تھا بلکہ کعبہ کی وجہ سے قلب و دماغ کا مرکز بھی تھا، لیکن دعوت دین کی خاطر آپ نے اس کو چھوڑا، کوئی کشمکش نہیں کی، اور نہ انتقام لینے کو سوچا، کیونکہ اس سے دعوت کا کام متاثر ہوتا، پھر مدینہ جا کر چند برس کی جدوجہد کے بعد صلح حدیبیہ یعنی نفس کشی کا کام کیا تاکہ دشمنوں کی دشمنی کچھ دنوں کے لیے موقوف کر سکیں، اور اس طرح مسلمان دین کی دعوت

پر سکون اور آپسی ہمدردی کے ماحول میں پیش کر سکیں، چنانچہ اس کا غیر معمولی اثر پڑا کہ ان دو سالوں میں جتنے لوگ مسلمان ہوئے وہ اس سے قبل کی ساری مدت میں مسلمان ہونے والوں سے زیادہ تھے۔

جب معاشرہ مشترک طرز زندگی کا ہو اور اقتدار اور حکومت کا اس سلسلہ میں مفید کردار ہو تو صرف محبت و ہمدردی اور دل سوزی ہی ذریعہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کی اعلیٰ مثالیں ہیں، حق سے روگرداں لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جو سرے سے مذہب ہی کو نہیں مانتے، جن کو دینی اصطلاح میں ملحد کہا جاتا ہے، ان کو حق کی طرف مائل کرنے کے لیے مذہب کی خوبیوں اور برکتوں اور نعمتوں سے روشناس کرانا ہوتا ہے، ان کو بتانا ہوتا ہے کہ بے مذہب بے خدا ہونے کی صورت میں زندگی کس قدر خشک اور بے مزہ ہو جاتی ہے اور سکون قلب سے کس قدر دور ہوتی ہے، ملحد کو ترغیب دینا ہوتا ہے کہ وہ مذہب کے تسکین بخش ہونے کی صفت کو تجربہ کر کے تو دیکھیں، ذرا اس کو سمجھنے کی تو کوشش کریں، دوسری طرح کے روگردان اشخاص وہ ہوتے ہیں جو مذہب کو تو مانتے ہیں اور خدا کو بھی مانتے ہیں لیکن راہ حق و دین صحیح سے منحرف ہوتے ہیں، وہ آخری نبی اور آخری دین کو نہ جاننے کی وجہ سے ان کو مانتے نہیں ہیں، خدائے واحد پر انحصار ان کے مذہب میں نہیں ہوتا، ایسے اشخاص کو دین حق سے قریب لانے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ قریب ہو کر دین حق کا، توحید و رسالت کا مطالعہ کر سکیں اور اس کی خوبی سمجھ سکیں، ایسے اشخاص کے ساتھ محبت سے پیش آنا ہوتا ہے، اور حسن سیرت سے ان کو اپنے سے قریب کرنا ہوتا ہے، ان سے ایمان کی بات بتانا ہوتی ہے، ایمان کی دعوت دینا ہوتی ہے، ایمان وہ جملہ حق ہے جو ہر مذہب کا ماننے والا سنتا اور دھیان دیتا ہے، اس کے لیے کسی بھی شخص سے ایمان کے حوالہ سے بات کی جاسکتی ہے، وہ اس کو آسانی سے سنے گا اور اگر اس کے دل کو یہ بات چھوگی تو اس سے متاثر ہوگا، ایمان کا تعلق دل سے ہے،

دلائل و حجت کا تعلق عقل سے ہے، عقل خوب چیترے جانتی ہے، اس کو حکمت دینا آسان نہیں ہوتا لیکن دل کو جب بات اچھی لگ جائے تو دل مائل ہو جاتا ہے، وہ دلائل کے پیکر میں زیادہ نہیں پڑتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کفار کے سامنے بات رکھی تو خالق اور پروردگار کو ایک ماننے کی بات رکھی اور اسی کے ساتھ انسانوں کے ساتھ ہمدردی، مظلوموں کی مدد، مہمان کی خاطر داری، مسافر کی مدد جیسے کاموں کی تلقین کی اور اس کی دعوت دی، یہ وہ حکمت اور طریقہ تھا جو دلوں کو جلدی متاثر کرتا ہے، غیر مسلموں کو قریب کرنے کے لیے اس کی نقل کی جاسکتی ہے، ہمدردی و انسانیت نوازی اور ایمان باللہ و بالرسول و خاتم المرسلین کو ملانے سے وہ عظیم دعوت بن جاتی ہے جس میں ایک خاص برکت اور تاثیر ہے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت کی پیروی ہے جو آپ نے مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران اختیار فرمائی تھی، آپ کو ایذا نہیں دی گئی لیکن آپ نے صبر کیا، سخت ست کہا گیا لیکن آپ نے برداشت کیا اور اخلاق و محبت کے ساتھ، ہمدردی اور حکمت کے ساتھ کام جاری رکھا اور ایک ایک کر کے لوگ متاثر ہوتے گئے، اور جس نے اثر لیا وہ آپ کا گرویدہ ہو گیا، دراصل دعوت کے کام میں مدعو کے دل پر اثر کرنے والی بات کی ضرورت ہوتی ہے، اپنے کو اس کا خیر خواہ اور قلمبوس محسوس کرانے کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ انسان اپنے قلمبوس و خیر خواہ کی بات سنتا ہے، اور جس کو وہ قلمبوس و خیر خواہ نہ سمجھے اس کی بات پر دھیان ہی نہیں دیتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے کام کے سلسلہ میں جو ہدایات یا وضاحتیں فرمائی ہیں، ان سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ کام خیر خواہی کے جذبہ کے بغیر نہیں ہو سکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خیر خواہی اتنا محسوس کرائی کہ حیرت ہو جاتی ہے، عبد اللہ بن ابی اپنے قبیلہ خزرج کا بڑا مقبول سردار رہ چکا تھا، قبیلہ کے ساتھ وہ بھی اسلام لایا لیکن اسلام اس کے سلق سے نہیں اترا تھا، وہ اپنے کو مسلمان ثابت کرتا لیکن اندر اندر دشمنی

کلمات قرآنی کے اعجاز کے نمونے: ایک لغوی جائزہ

﴿فَاكَلَهُ الذَّنْبُ﴾

دكتور عمدة اليعودة

کرنے کو، لیکن "افتراس" میں پوری طرح کھایا نہیں جاتا بائیں طور کہ شکار کا کوئی نام و نشان ہی باقی نہ رہے، وہ پورا کا پورا چٹ کر لیا جائے۔

جہاں تک لفظ "اکل" کا تعلق ہے تو یہ لغت کی رو سے کھانے کو چبانے اور نکلنے کا عمل ہے، عربی میں "اکلہ النار" اس وقت کہتے ہیں جب آگ کسی چیز کو بالکل جلا کر خاکستر کر دے، تو معلوم ہوا کہ لغت "اکل" اور "افتراس" دونوں کے استعمالات میں فرق کرتی ہے، اور اس کی رو سے دونوں الگ الگ مواقع پر بولے جاتے ہیں، دونوں کے محل استعمال الگ ہیں۔

استعمال کے اس فرق کو ہم ذہن میں رکھ کر قرآن کے بیان کردہ اس قصہ یوسف پر غور کریں تو ہم اپنے آپ کو اس عظیم الشان اعجاز کے سامنے پائیں گے جو قرآن کی یہ آیات پیش کر رہی ہیں، کیا خوب اعجاز ہے جو الفاظ کی قالب میں آیات قرآنی دکھا رہی ہیں، یوسف کے بھائیوں نے تو طے کیا اور اپنے دل میں ٹھکان لی کہ وہ آپ کو کسی غیر آباد کنویں کی اندھیریوں میں ڈالیں گے تاکہ کوئی قافلہ وہاں سے گزرے تو وہ آپ کو اٹھ کر اپنے ساتھ دور بہت دور لے جائے، ان سے دور، ان کے والد سے دور لے جائے تاکہ والد کی محبت پھر ان ہی کے لیے خالص ہو جائے اور اس کی شفقتیں اور نوازشیں سب انہی کے حصہ میں آجائیں۔ ان کا یہ خواب اسی وقت شرمندہ تعبیر ہو سکتا تھا جب وہ بالکل ہی یوسف سے چھٹی حاصل کر لیتے اور ان کا قصہ تمام کر دیتے، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے "یوسف کو بھیڑیا کھا گیا" کی داستان گڑھی، اپنے اس "کارنامہ" کا کوئی اثر اور نشان باقی نہ رہے اس لیے انہوں نے والد سے کہا: "اکلہ الذنب" اور اگر وہ اس کے بجائے "افترسہ الذنب" کہتے (یعنی بھیڑیے نے اسے مار ڈالا، نوح ڈالا اور اس کی یونیاں بنا ڈالیں) تو یقیناً والد ان سے مطالبہ کرتے کہ اس کی نقش لے آؤ۔

(بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

یہی ہے کہ سرخی کے جملے پر توجہ مرکوز کروں، اس لیے گفتگو اسی تک محدود رہے گی۔

﴿فَاكَلَهُ الذَّنْبُ﴾ آیت کریمہ کے اس نکلے میں قابل غور اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ﴿فَاكَلَهُ﴾ اس کے بجائے "فافترسہ" کیوں نہیں فرمایا، جب کہ درندوں کی صفت یہی ہوتی ہے کہ وہ "افتراس" (بھاڑ کھانے) کا عمل کرتے ہیں، اسی لیے عربی میں "سباع مفترسہ" کہا جاتا ہے، "سباع اکلہ" نہیں کہا جاتا۔ شیر، چیتے، تیندوے، بھیڑیے، بچو اور اس طرح کے درندوں کی یہی شان ہے کہ وہ "افتراس" کرتے ہیں، اسکے برعکس بکری کے بچے، گائے اور اونٹ جب کھاتے ہیں تب ان کے لیے "اکل" کا لفظ بولا جاتا ہے جیسے: خراف ناکل الحشیش۔

لسان العرب میں ہے: فرس الشبی فرساً یعنی کسی چیز کو توڑنا اور اسے کوشنا، "افترس السدابہ" اس وقت بولا جاتا ہے جب جانور کو پکڑ کر اس کی گردن کو توڑ مروڑ کر رکھا جائے، اصلاً "فرس" (بسکون الرءاء) کے معنی گردن کو توڑنے، مروڑنے اور کوٹ کر رکھ دینے کے تھے، پھر اس کے معنی کے اندر وسعت پیدا ہوئی، یہاں تک کہ ہر قتل کو "فرس" کہا جانے لگا اور "افتراس" کے معنی "شکار کرنے" کے ہو گئے۔

اسی طرح کی بات "السقاموس المحيط" اور دوسری لغات نے بھی کہی ہے۔

تو پھر "افتراس" کہیں کے کھانے کی نیت سے قتل

سورہ یوسف کا یہ جملہ قرآن کریم کے ان جملوں میں سے ہے جو حیرت انگیز طور پر اپنے اندر لطیف معانی رکھتے ہیں، سورہ یوسف کو خود اللہ تعالیٰ نے "احسن القصص" کا خطاب دیا ہے، اس قصہ جاوداں کے ایک منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَالُوا يَا أَبَانَا انَّا ذُهَبْنَا سَبِقًا وَتَرَكْنَا يَوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَكَلَهُ الذَّنْبُ وَمَأْنُتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ وَجَاءَ وَاعْلَىٰ قَمِيصَهُ بَدْمًا كَذَبَ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبِرْ جَمِيلًا وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ (یوسف: ۱۷-۱۸) "کہنے لگے کہ ابا جان! ہم تو دوڑنے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑ گئے تو اُسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ ہماری بات کو گوہم بچ ہی کہتے ہوں! باور نہیں کریں گے، اور ان کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا لہو بھی لگا لائے، یعقوب نے کہا) کہ حقیقت حال یوں نہیں ہے) بلکہ تم اپنے دل سے ایک بات بنا لائے ہو، اچھا! صبر (کہ وہی) خوب (ہے) اور جو تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں خدا ہی سے مدد مطلوب ہے۔"

ان دونوں آیتوں پر غور و فکر کے نتیجے میں میرے ذہن کے پردے پر کئی خیالات ابھر آئے، کیوں کہ دونوں ہی آیتوں میں بہت لطیف معانی پوشیدہ ہیں اور ان میں اعجاز کے بے شمار مظاہر ہیں، لیکن اس وقت ارادہ

ہے، ان کے میدان عمل اور طریقہ کار میں تنوع ہے، ان کے ذریعہ دین کے تعارف، ایمان و عمل صالح کی تلقین کا کام انجام دیا جا رہا ہے، محبت و ہمدردی کے ساتھ لوگوں سے ملنے اور بے غرض رویہ کے ساتھ کام کرتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے کام کے اثرات بھی غیر معمولی ظاہر ہو رہے ہیں، نہ معلوم کتنے ایسے افراد ہیں کہ دعوت کے ان تک پہنچنے سے قبل مختلف قسم کے حرام کاموں میں اور خدائیزاری زندگی میں مبتلا تھے وہ دعوت کا اثر قبول کرنے کے بعد نہ صرف یہ کہ نہایت صالح مسلمان بنے بلکہ پرہت اور منہمک داعی بنے ہوئے ہیں، لاکھوں آدمی جو آزادانہ زندگی میں مبتلا رہ چکے ہیں وہ اب دیکھنے میں مولوی جیسے معلوم ہوتے ہیں اور عملی طور پر دینی زندگی میں سرشار نظر آتے ہیں۔

یہ سب نتیجہ ہے دعوتی زندگی اختیار کرنے کا اور اللہ تعالیٰ کے حکم و دعوت کی تعمیل کا، اللہ تعالیٰ نے چاہا تو دعوت کی یہ کوششیں جو بے غرض طریقہ سے جاری ہیں خواہ جماعت تبلیغ کی ہوں، خواہ دوسری دعوتی عمل رکھنے والی جماعتوں کی ہوں، امت مسلمہ کی حفاظت و ترقی کے بہترین نتائج پیدا کریں گی، اور کم از کم اس امت کے بقاء و تحفظ کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔

ہم سب کو اس کی اہمیت سمجھنا اور حسب استطاعت اس میں حصہ لینا چاہئے، یہی ہمارے لیے جو کہ خیر امت کہلاتے ہیں کامیابی کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور قبول فرمائے۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

مولوی محی الدین ندوی کارکن شعبہ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء کی والدہ کا مورخہ ۲ فروری ۲۰۰۸ء بروز منگل پور ہنسوہ میں انتقال ہو گیا، ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

سن لیجئے، معزز و موقر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ہیں اور ذلیل اور پست آپ ہیں، اب سن لیجئے! آپ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر داخل بھی نہیں ہو سکتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعدہ کو برابر نبھایا کہ عبد اللہ بن ابی کے ساتھ تاحیات خوش اخلاقی کا ہی معاملہ رکھا، خوش اخلاقی اختیار کرنے کے سلسلہ میں قرآن کی ہدایت یہاں تک آئی کہ اگر کوئی مشرک تمہاری حفاظت میں آئے تو اس کو حفاظت کے ساتھ اپنے پاس ٹھہراؤ، اس طرح اللہ تعالیٰ کا کلام سنے گا پھر اس کو اس کی حفاظت کی جگہ تک پہنچاؤ۔

صوفیائے کرام اور بزرگان دین نے دعوت و دین کی خاطر احکام خداوندی اور اسوۂ نبوت کو پوری طرح اختیار کیا، اسی کا اثر ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد ہے، اس سلسلہ میں ان کے پیشاورداعات ہیں جن سے ان کی محنت، صبر و برداشت، عام انسانی ہمدردی و خیر خواہی، دوستوں کے ساتھ اخلاص و محبت، دشمنوں کے ساتھ بھی رعایت و خیر خواہی کی اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں، یہ وہ طریقہ عمل ہے جس سے دین تو دین ہے دنیا بھی عافیت و خیر بن جاتی ہے، چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے:

آسائش دو کہتی تفسیر این دو حرف است
با دوستان تلطیف، با دشمنان مدارا
یہ خوش آئند بات ہے کہ برصغیر میں الحمد للہ دعوت کے کام میں اب بھی مسلمانوں کی ایک تعداد مصروف

کرتا، ظاہر میں مسلمان ہو گیا تھا، اس سے اس کا قبیلہ اس سے ہمدردی رکھتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی رعایت میں یہ جانتے ہوئے کہ وہ منافق ہے بلکہ اس کی طرف سے آپ کو متافوقاً سخت ایذا پہنچتی تھی لیکن اچھا برتاؤ رکھا، بلکہ ایک سفر کے دوران عبد اللہ بن ابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ مدینہ کی طرف آتے ہوئے مسلمانوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف باطن کا اشارہ کر کے کہا کہ مدینہ پہنچ کر مدینہ کے معزز لوگ ان گھنیا اور ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے، جس کا صاف مطلب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مہاجرین کے لیے وہ کہہ رہا تھا، یہ ایسی بات تھی کہ خود عبد اللہ بن ابی کے بیٹے کو بری لگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس باغیانہ حرکت پر ان کے باپ کو سخت سے سخت سزا دے سکتے ہیں، یا خود مسلمان ناراض ہو کر اس کو قتل کر سکتے ہیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے باپ نے ایسی گندی بات کہی ہے اس پر وہ لائق قتل ہو سکتے ہیں، میں خیال کرتا ہوں کہ قتل کا کام اگر کوئی مسلمان کرے گا تو میں انسان ہوں، فرزند ہونے کے ناطہ مجھ پر اثر پڑ سکتا ہے، جو میرے ایمان کے لیے مضر ہوگا، لہذا یہ کام لینا ہو تو مجھ سے ہی لے لیجئے گا، آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کروں گا، آپ کے اس عمل کا ایسا اثر پڑا کہ جب مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا یہ قافلہ داخل ہوا تو عبد اللہ بن ابی کے بیٹے راستہ پر کھڑے ہو گئے اور باپ کی آمد پر تلووار کھا کر کہا

تفسیر اور عربی ادب کے اساتذہ کی ضرورت ہے

درجات عالیت انشیات میں تفسیر اور عربی ادب کی تدریس کے لیے باصلاحیت دو اساتذہ کی ضرورت ہے۔

مشاہرہ ماہانہ کم از کم چار ہزار روپے گا۔

رابطہ کا پتہ: صفناشریعت کالج، ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر (پوپی) موبائل: 9453572688

صفابانی اسکول کے لیے ایک دین پسند تجربہ کار محنتی، انتظامی صلاحیت کے قابل پرنسپل کی ضرورت ہے جو انگریزی اور سائنس و ریاضی کی بہترین صلاحیت رکھتا ہو۔

رابطہ کا پتہ: عمیدالواحدہ، صفابانی اسکول، ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر، موبائل: 9453572688

قرآن کریم کتاب الہی ہے

پروفیسر عطیہ ظہیر عرب

ساتویں قسط

کرے اور اسی کی یاد میں دل کی دھڑکنوں کو سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہو، اسی سے امیدیں اور ساری توقعات وابستہ کرتا اور اسی پر توکل رکھتا ہو، بلکہ اسی ان دیکھے رب اعلیٰ کی خشیت و خوف کے عالم میں عبادت کرے، اس یقین کے ساتھ کہ اس کا رب کریم اس کے سامنے ہے اور وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے حالانکہ بندہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کا رب کریم اپنے بندے کو نگاہ لطف و کرم سے دیکھ رہا ہوتا ہے، بندگی کا یہ وہ اعلیٰ اور قابل رشک مقام ہے جہاں فرشتوں کا بھی گزر نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم میں نبوت و رسالت کی ضرورت اور اہمیت:

قرآن کی نظر میں انسانوں کو ہدایت و رہنمائی کے لیے نہیں جیسے انسانوں کی بڑی ضرورت اور اہمیت ہے، اسی لیے تمام انبیاء اور رسول اہل زمین کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور منتخب ہوا کرتے تھے، ان کی اولین ذمہ داری لوگوں کو توحید باری تعالیٰ اور نبوت و رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہوتی تھی اور یہی ایمان کی بنیادی شرط قرار دی گئی تاکہ وہ شرک و بت پرستی کی نجاست سے پاک ہو کر نبی یا رسول کی اطاعت کرتے ہوئے ایک اللہ کی بندگی اختیار کریں۔

وحی نازل ہونے کا امکان:

قرآن مجید وحی کے نازل ہونے کو اپنے منطقی دلائل سے ممکن ثابت کرتا ہے، جب کہ مشرکین و کفار مکہ مکرمہ کسی انہیں جیسے انسان پر اللہ پاک کا پیغام وحی کی صورت میں نازل ہونے کو بعید از امکان اور ناقابل یقین خیال کرتے تھے، حالانکہ نہ تو یہ امر ناممکن تھا اور نہ ہی حیرت انگیز یا تعجب خیز، ارشاد ہوا:

﴿اِنَّ كُنَّا لِلنَّاسِ عَجَابًا اَوْ حِينًا لِّی رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ (سورۃ یونس، آیت: ۲)

”کیا (ان) لوگوں کے لیے یہ حقیقت حیران کن

اور تعجب خیز ہے کہ ہم نے انہیں میں سے ایک شخص پر وحی نازل فرمائی؟“ یعنی یا رسول کا بشر ہونا ضروری تھا: یہاں یہ حقیقت بھی جان لینی چاہئے کہ قرآن مجید نے ان منکرین حق کے اس اعتراض کی تردید فرمائی ہے جو وہ نبی یا رسول کے بشر ہونے پر کرتے تھے۔

انسانیت کی ہدایت کے لیے نبی یا رسول کا بشر ہونا ضروری تھا:

یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ قرآن مجید ان منکرین حق کی منطقی دلائل کے ساتھ تردید کرتا ہے جو کسی بشر کے نبی یا رسول ہونے کا انکار کرتے تھے، ساتھ ہی ساتھ حکمت الہی پر بھی روشنی ڈالتا ہے کہ انسانوں کی رہنمائی کے لیے ان ہی جیسا ایک نبی یا رسول ہونا عقلی، فطری اور عملی اعتبار سے لازمی ہے، اور وہ انہیں جیسا ہو جس کی بات وہ سمجھ سکیں اور جس سے انسانیت پیدا ہو جائے۔

بلکہ ہمارے خیال میں تو جس کی پیروی یا اتباع بلا حیل و حجت آسانی سے کر سکیں، اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿فَلِی لَوْ كُنَّا فِی الْاَرْضِ مَلَائِكَةً یَّمشُونَ مَطْمَئِنِّینَ، نَنْزِلُنَا عَلَیْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا﴾ (الاسراء: ۹۵)

کہ اگر اس زمین پر فرشتے رہتے بستے اور آرام سے چل پھر رہے ہوتے تو (یقیناً) ہم انکے لیے آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے، یہ حکیمانہ اور معقول جواب ہے لیکن ان کی ہٹ دھرمی کی کوئی حد نہیں تھی۔

دوسری بات یہ کہ اگر واقعی کوئی فرشتہ رسول بن کر آتا تو وہ فوراً یہ اعتراض جڑ دیتے کہ ہم تو انسان ہیں، ضروریات رکھتے ہیں، ہمارے اندر ملکی صفات نہیں، ہم ان کی اتباع نہیں کر سکتے، فارسی کا مقولہ ہے ”خوئے بدر اہبات بسیار“

ان منتخب انبیاء کی رسالت کا مقصد انسانوں کو گمراہی کی تاریکی سے نکال کر، ہدایت کے نور کی

طرف دعوت دینے کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی، اس میں بندوں کی بھلائی اور جو حکمت الہی پوشیدہ تھی اس کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے:

﴿رَسُلًا مَّبشُرِیْنَ وَمُنذِرِیْنَ لِّفَلَا یَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حِجَّةٌ بَعْدَ الرِّسَالِ﴾ (سورۃ النِّسَاء: ۱۶۵)

کئی مقامات پر یہی ارشاد ہوا: ﴿لَقَدْ ارسلنا رسلنا بالبینات، وانزلنا معہم الکتاب والعیون، لیتقوم الناس بالقسط﴾ (الحدید: ۲۵)

تمام انبیاء و رسولوں کی اولین دعوت توحید رہی:

اللہ رب العزت نے توحید کی اہمیت کو بار بار اجاگر فرماتے ہوئے ہر حیثیت سے حجت تمام فرمائی، بلکہ قرآن کریم تمام انبیاء و رسل کے واقعات بتانے کے دوران وضاحت بھی فرماتا جاتا ہے کہ وہ تمام انبیاء و حدانیت رب العالمین یعنی توحید کی دعوت دینے اور شرک کا مقابلہ کرنے والے تھے۔

قرآن مجید کی روشنی میں محض شرک ہی وہ بنیادی فتنہ تھا جس نے انسان کی عقلیت و شعور اور سلوک پر ظلم کیا، اسی کی بدولت عقیدہ و اخلاق میں فساد رونما ہوا، اور طرح طرح کی خرابیاں ایسی پیدا ہو گئیں کہ ان سے لوگوں کی معاشرتی زندگی اجیرن و دشوار ہو گئی، قتل و غارتگری عام تھی۔

ان مشکلات کا حل صرف عقیدہ توحید و رسالت محمدی پر ایمان لانے میں تھا، ارشاد ہوا ﴿وَمَا ارسلنا

من قبلك من رسول الا نوحي الیه انه لا اله الا انا فاعبدون﴾ (سورۃ الانبیاء: ۲۵) اور سورہ النحل: آیت ۳۶ میں توحید و طاعت کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے توحید پر قائم رہنے اور طاغوتی قوتوں سے بیزاری کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿وَلَقَدْ بعثنا فی کل امة رسلًا ان اعبدوا اللّٰه، واحسنوا الطاعات﴾ حکم الہی کا یہ فیصلہ کن

انداز اعلان کر رہا ہے کہ حق و باطل میں کبھی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا، بقول علامہ اقبال:

شرکت مہلت حق و باطل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہمنشین ہو تو مجمل نہ کر قبول

اسی کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم نے خبردار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء و رسول جس دور میں اور جس قوم کے پاس بھی تشریف لائے، ان سب کا مقصد معاشرے میں کسی طرح بھی فساد پھیلانے اور بے چینی پیدا کرنے والوں یا عوام کو نقصان (گھانا) دینے والوں کے خلاف کھڑے ہو کر مقابلہ کرنا تھا، یہ عدم توازن خواہ معاشرتی خرابیوں یا معاشی عدم توازن ہو یا سیاسی، اخلاقی پستی، کمزوریوں پر ظلم، اولاد کا قتل یا لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی بدترین اور بہیمانہ رسم، ان تمام اقسام کے ظلم اور بے انصافی سے معاشرے کو پاک کرنا تھا، اسی لیے اس انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے انبیاء کرام کو انسانی شکل ہی میں بھیجا گیا، تاکہ وہ کتاب الہی، احکام ربانی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے بندوں کو روزمرہ زندگی کے معاملات میں اعلیٰ اخلاقی تربیت دیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ اس نے کبھی انسانیت کو گمراہی کی تاریکی میں بھٹکنے کے لیے بے نور نہیں چھوڑا، بلکہ ہر دور میں اپنے کسی پسندیدہ بندے کو اپنا نبی یا رسول بنایا اور ہدایت کا پیغام دے کر دنیا کے مختلف گوشوں میں بھیجا تاکہ وہ انسانوں کو راہ راست یا صراط مستقیم پر لائیں۔

﴿وان من امة الا خلا فیہا نذیر﴾
کوئی قوم ایسی نہیں گزری کہ اس میں ہم نے (برائی سے بچانے اور بھلائی کی طرف بلانے والا) ایک (ہم سے) ڈرانے والا نہ بھیجا ہوتا کہ لوگ وہ اخلاقی برائیاں چھوڑ کر اچھائی کی طرف آجائیں، یہ

انبیاء کرام بھی کردار سازی کیا کرتے تھے۔ (جاری)

انسانیت کی بقاء و فکر اور میں نہیں جوڑ میں ہے

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

مغربی مفکرین کے بقول ”تجدید و تبدیلی“ یورپی فکر کی اساس ہے اور یہی اس کی ترقی و اقبال کا راز ہے، یورپ نے اپنے اس اصول ”تجدید و تبدیلی“ کو صرف سیاسی و قومی دائرہ تک محدود نہیں رکھا، بلکہ تعمیر پذیر حالات کے مطابق سیاست میں تبدیلی کیساتھ ساتھ اس نے خالص دینی و مذہبی تعلیمات و کتب میں تبدیلیاں کی ہیں، لیکن کئی صدیوں سے اسلام مسلمانوں کے تعلق سے یورپ کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، عداوت و دشمنی اور نفرت پر مبنی قدیم صلیبی رویہ چلا آ رہا ہے، یورپ کی جدید نسل اپنے اسلاف کے اسی معاندانہ رویہ پر گامزن ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی قائل نہیں، یہ مغربی فکر کا کھلا ہوا اقتصاد ہے کہ خود یورپ بنیاد پرستی اور قدامت پرستی پر قائم ہے اور مسلمانوں پر قدامت پرستی اور جمود کا الزام عائد کرتا ہے۔

حالہ دنوں میں بعض مسلم علماء نے وٹیکن سٹی کو مذاکرات اور ڈائیلاگ کی دعوت دی، لیکن وٹیکن نے یہ کہہ کر مذاکرات سے انکار کر دیا کہ وہ قرآن کو ”نفس الہی“ سمجھتے ہیں اور سنجیدگی و گہرائی سے اس پر بحث و مناقشہ نہیں کرتے۔“

وٹیکن میں اسلامی امور کے ذمہ دار ”کارڈینال جان لوئیس توران“ نے فرانسیسی روزنامہ ”الاکرو“ کو انٹرویو میں کہا کہ مسلمان یہ بالکل پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص قرآن میں تبدیلی

کئے جا رہے ہیں، اس کا ثبوت ہے، خود پوپ بھی اس سے بڑی نہیں، وہ اسلام کے خلاف اس انسانیت سوز مہم میں پوری طرح شریک ہیں، اور وقتاً فوقتاً اسلام اور پیغمبر انسانیت محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں اہانت آمیز بیان دیتے رہتے ہیں، گذشتہ ستمبر کو جو ہانس برگ یونیورسٹی میں اپنے بیان میں انہوں نے کہا تھا کہ اسلام تشدد پر مبنی ہے، عالم اسلام سے متعلق ان کا رویہ مغربی سامراج سے مختلف نہیں ہے۔

”توران“ نے مسلمانوں پر الزام لگاتے ہوئے کہا کہ اسلامی حکومتیں عیسائیوں کو چرچ کی تعمیر کی اجازت نہیں دیتی، جب کہ یورپ میں مسلمان پوری آزادی کے ساتھ مساجد تعمیر کر سکتے ہیں، توران کی بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ مسلمان یورپ میں کن سیاسی و سماجی بندشوں اور نئی مصیبتوں کا شکار ہیں اور مساجد و مدارس کی تعمیر میں انہیں کیسی مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور نسلی تفریق کی بنا پر ان کے ساتھ کیسا ذلت آمیز سلوک کیا جاتا ہے، سوئٹزر لینڈ میں جسے غیر جانبدار درواداری اور عدل و انصاف کا علمبردار خیال کیا جاتا ہے، متشدد کمیونسٹ فرنٹ کی جانب سے مسلمانوں کے ساتھ کی جانے والی نازیبا حرکت اس کی تازہ مثال ہے کہ دوران نماز جب کہ مسلمان اپنے مالک حقیقی کے سامنے سر بسجود تھے، پیچھے کی طرف سے ان کی تصویر لی گئی اور ایک بیئر پر جس پر جلی حروف میں یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے ”فکر و برو ووسکم“ شائع کیا گیا۔

ہالینڈ میں مسلمانوں کی خلاف نفرت پیدا کرنے کی کوششیں نہایت شد و مد کے ساتھ جاری ہیں،

بعض سیاسی پارٹیاں مسلمانوں کو ملک بدر کرنے کا مطالبہ تک کر رہی ہیں۔ اور اسلام اور مسلمانوں کی اہانت پر مبنی فلمیں شائع کی جا رہی ہیں۔

ہالینڈ کی طرح آسٹریا کی بھی یہی صورت حال ہے کہ وہاں کی سیاسی پارٹیاں حکومت سے مطالبہ کر رہی ہیں کہ تعمیر مساجد پر پابندی عائد کی جائے، انہوں نے یہ اندیشہ بھی ظاہر کیا ہے کہ آسٹریا میں اسلام کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے، ہالینڈ اور آسٹریا ہی پر کیا موقوف، فرانس، جرمنی اور یورپ کے بیشتر ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے یہی منفی رجحان پایا جاتا ہے، ہر جگہ مسلمانوں کے ساتھ نہایت ذلت آمیز اور معاندانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے، اسلام مخالف تحریکیں اور تنظیمیں ہمہ وقت مسلمانوں کے درپے آزار رہتی ہیں، ان تمام غیر انسانی اور ظالمانہ کوششوں کا سبب درحقیقت کلیسا کا اسلام کے متعلق معاندانہ رویہ ہی ہے۔

کلیسا کا یہ رویہ بھی کوئی نیا موقف نہیں، بلکہ وہ اپنے اسلاف کے قدیم روایتی روش پر آج تک عمل پیرا ہے، ارباب کلیسا نے کبھی اپنے اس منفی رویہ میں نظر ثانی کی ضرورت نہیں محسوس کی، بلکہ مغربی سامراج کی منشا کے مطابق عمل کر رہا ہے۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ یورپ میں ایسے روشن ضمیر اور دانشور بھی ہیں جو امن و امان اور پر امن بقائے باہم کے خواہاں ہیں اور جن کے مقاصد و مشن پر خود غرضی و نفس پرستی کا الزام عائد نہیں کیا جاسکتا، وہ اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ ارباب کلیسا اور سیاسی لیڈروں نے اسلام و عیسائیت کے درمیان جو غلطی اور دوری پیدا کر دی ہے اس کو کم کیا جائے، اور سیاسی اغراض، رنگ و نسل، ذات پات کے بتوں

کو پاش کر کے اخوت و محبت کے مضبوط پل تعمیر کئے جائیں اور مذہبی امتیازات کو یکنخت فراموش کر دیا جائے۔

ہالینڈ کے وزیر اعظم ”بان بیٹر کانینڈ“ نے مسلمانوں کو ملک بدر کرنے کا مطالبہ کرنے والوں کے خلاف سخت بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے یا جلاوطن کرنے کی دھمکی کسی قیمت پر برداشت نہیں کی جائے گی، انہوں نے جلاوطنی کا مطالبہ رد کر دیا ہے اور یہ ہدایت دی ہے کہ ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کو پورا تحفظ فراہم کیا جائے، ان کے ساتھ تعرض نہ کیا جائے، ہالینڈ کے وزیر اعظم نے مزید کہا کہ ”مسلمان دوسری قوموں کی طرح معاشرہ کے ایک فرد ہیں، انہیں پوری آزادی کے ساتھ پر امن بقائے باہم کے اصول پر عمل کرتے ہوئے زندگی بسر کرنی چاہئے، وہ خوب اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے قومی و مذہبی شعائر پر عمل کریں، انہیں بالکل پریشان نہیں ہونا چاہئے، ان سے کبھی یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم اس ملک کے باشندے نہیں اس لیے ملک خالی کر دو، بلکہ نہایت رواداری اور انسانیت نوازی کے ساتھ یہاں رہنے کے مواقع فراہم کئے جائیں گے، مجھے وہ منظر بہت حسین لگتا ہے جب مسلمان اپنی مسجدوں سے نماز پڑھ کر نکلتے ہیں اور نہایت بشارت و خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے یہودی اور نصرانی بھائیوں سے بغل گیر ہوتے ہیں اور وہ سب بھائیوں کی طرح پیار و محبت کی باتیں کرتے ہیں لہذا مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کا تعرض، اور ان کو جلاوطن کرنے کی باتیں بالکل نہ کی جائیں، بلکہ دوسرے تمام مذاہب کی طرح ان کے مذہب اور ان کے دینی شعائر

کو پورا احترام ملحوظ رکھا جائے، انہوں نے مزید کہا کہ ”اصل خطرہ کی بات یہ نہیں کہ مسلمان اس ملک کے باشندے ہیں بلکہ سب سے بڑا خطرہ اور بھیا تک سازش تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو جلاوطنی کی دھمکی دے کر ان کو ملک سے دور کر دیا جائے۔“

کمیونسٹ پارٹیوں کے جلاوطنی کے مطالبہ کو چیلنج کرنا ہالینڈی وزیر اعظم کا یقیناً ایک جرأت مندانہ اور قابل ستائش اقدام ہے۔

بعض یورپین ممالک میں مشرق و مغرب کے درمیان جوڑ اور مفاہمت کی کوششیں جاری ہیں، اسپین میں یورپ کی تنظیم امن و اتحاد کے زیر نگرانی قرطبہ میں اسی تعلق سے ایک بین الاقوامی کانفرنس بھی منعقد کی گئی جس میں یورپ کی ۳۰۰ نمائندہ شخصیات نے شرکت کی جن میں سرفہرست اسپینی وزیر خارجہ میگل آنخیل موراتیوس ہیں۔

اس کانفرنس میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف معاندانہ مہم میں ذرائع ابلاغ اور ترقی و تعلیمی اداروں کے رول کا جائزہ لیا گیا، کانفرنس کے شرکاء نے اس کا اعتراف کیا کہ اگستمبر کے واقعہ سے مسلمانوں کی غلط شبیہ دنیا کے سامنے آئی ہے، اس سے اسلامی تعلیمات کے بارے میں منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں، ایسے واقعات سے لوگوں کے ذہنوں میں اسلام اور مسلمانوں کی غلط تصویر ابھرتی ہے۔

مشرق و مغرب کو جوڑنے کے لئے کی جانے والی کوششوں کی ایک کڑی دو فرانسیسی رائٹروں کی مرتب کردہ تصنیف ”تہذیبوں کا احترام“ بھی ہے، اسے ایک فرانسیسی ادارہ نے شائع کیا ہے، اس کتاب میں صموئل ہینٹنگٹن کی کتاب ”تہذیبوں کا

ڈی این اے - تخلیق الہی کا کرشمہ

انجم اقبال

سائنس کا تصور علم یہ ہے کہ علم کا حقیقی ذریعہ آزاد عقل ہے، سائنس کا معیار علم معرفت، آفاقیت اور مفروضیت سے پاک ہونا ہے، کانٹ اور آئین سائنس کے نظریات نے سائنسی تصور علم اور معیار علم کی پول کھول کر رکھ دی ہے، زمانہ کی گردش کے ساتھ ساتھ سائنس کے سارے دعوے بھی خاک میں مل رہے ہیں، ڈی این اے بھی سائنس کے تصور معرفت کو باطل قرار دیتا ہے اس لیے کہ معرفت کی سائنسی تشریح کا تقاضا یہ ہے کہ اشیاء اپنے وجود اور حیثیت کی شناخت اپنے وجود سے علاحدہ ہو کر کرے لیکن ڈی این اے بتاتا ہے کہ خود انسان کی شناخت کا مکمل اور تفصیلی ریکارڈ باری تعالیٰ نے اس کے اندر ایک چھوٹے سے خلیے میں بند کر دیا ہے۔ فتبارك الله احسن الخالقين۔

ڈی این اے کی معلومات تک پہنچنا سائنس کی تاریخ کا بڑا اہم سنگ میل ہے، مادے پر مبنی کائنات کی تعبیر جو جدید دور کا بڑا اہم حصہ بن گئی تھی اب جدید دور کے بعد، مابعد الجدید یا (Post Modern) دور میں خود سائنس کے ذریعہ اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے، انجام کار وہ سائنس جو خدا کی منکر ہو گئی تھی اب خدا کا اقرار کیا چاہتی ہے، دنیائے سائنس نے مان لیا ہے کہ چارلس ڈارون کے تصور ارتقاء نے انسانیت کے ۱۵۰ سال خراب کئے ہیں، اس تصور کے تحت بے جان ایٹموں (Atoms) نے کسی مبہم طریقے سے اپنے آپ کو اس طرح استوار کر لیا کہ وقت گزرتے یہ ایٹم زندگی کی متعدد قسموں کو اختیار کرتے گئے اور جان دار شکلیں دھارتے گئے اور آخر کار بندر کی شکل سے گزرتے ہوئے انسان کے وجود کا باعث ہو گئے، قدیم ترین تہذیبوں، یونان میں سقراط سے پہلے اور مصر اور بابلی لون میں بھی انسانوں کی زندگی کو تعبیر پذیر تو ہم پرستانہ منزلوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ ڈی این اے کی تفصیل بتائی جائے کہ اس دریافت نے کس طرح خدا کے قریب ہونے کا راستہ ہموار کیا ہے، ہم یہ بتاتے چلیں کہ ۱۹ ویں صدی میں تین بڑی طاقتور آوازیں گونجتی رہی ہیں، جس میں سے ہر آواز کے لاکھوں پیروکار پیدا ہوئے، ان میں ایک آواز کارل مارکس کی تھی، جس نے تمام دنیا کے محنت کشوں اور کاری گروں کو یک جہتی کا پیغام دیا، اس کے تصورات اتنے جامع قرار پائے کہ تاریخ، معاشیات و مالیات، سیاست اور معاشرے کے مکمل احاطے کے ساتھ علم و دانش کی بے اندازہ شقوں کو متاثر کر گئے، یہ انقلاب برپا کرنے اور اپنی دنیا آپ تبدیل کرنے والے خیالات تھے جو اپنی ابتدائی شکل میں ۱۹۲۸ء میں اشتراکی منشور (Communist Manifesto) کی شکل میں سامنے آئے، یہ مادہ پرست پس منظر میں صرف دولت کی تقسیم پر سماج کی

تعبیر کا وہ خواب تھا جس کی تعبیر روس میں بڑے پیمانے پر آزمائی گئی، روئے زمین پر اس تصور کے کروڑوں پیروکار پیدا ہوئے اور اس کی ہمنوائی میں زندگی کی تعبیر پھر سے کی جانے لگی، خدا شناس علمی عنوانات: روشن خیالی، ترقی پسندی، آزاد خیالی، عورتوں کے حقوق جیسے سیکڑوں خوب صورت الفاظ تراشے گئے جو عام آدمی کو خوش کرنے اور ایک معیاری انصاف پسند دنیا بنانے کا ولولہ انگیز طوفان تھا جو بڑے بڑوں کو بہا لے گیا، روس کے خاتمے کے ساتھ یہ اپنے انجام کو پہنچا، اس کے تمام ہمنوا اور پیروکار اپنے اپنے بلوں میں واپس جانے کے راستے تلاش کرنے پر مجبور ہو گئے۔

دوسری آواز فریڈ کی تھی جو ۱۸۸۲ء میں شعور اور تحت الشعور کی بحث کے ساتھ اُبھری، اس نے تجربات سے ثابت کیا کہ بھولی ہوئی یادیں اور تجربات تحت الشعور میں محفوظ ہو جاتے ہیں اور ان کو واپس یاد دلایا جاسکتا ہے، ان تجربات کو کرنے کے لیے اس نے نفسیاتی تجربے (Psychoanalysis) کا وہ تجرباتی طریقہ پیش کیا کہ رومانی دنیا کے انسانی ذہن کے لیے لائحہ و دستوں تک ترقی کر سکتے کے امکانات کے دروازے وا کر دیئے، یورپ، امریکہ اور دنیا بھر میں نفسیاتی تجربے کی تجربہ گاہیں کھل گئیں، فریڈ کی سب سے زیادہ مشہور تشریح اس کا لیبیدو (Libido) نظریہ تھا جس کے لائق ہمنوا اور بے اندازہ مخالفین بھی سارے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے، لیبیدو نظریہ کے تحت انسان اپنی تمام نشوونما میں پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ مانگنے کے وقت سے موت کی آخری ہنگامی تک ایک جنسی تسکین کا

(بقیہ صفحہ ۹۰ کا)

اسی وجہ سے اللہ نے ان کی حقیقت کھول کر رکھ دی اور صرف ایک لفظ کے ذریعے اس پورے ناپاک منصوبے کی قلعی کھول دی جو انہوں نے سوچ رکھا تھا، اور ظلمت شب میں جس بات پر انہوں نے ہامی بھری تھی اس پر سے پوری طرح پردہ اٹھا دیا، فرمایا ﴿فَاكَلَهُ الذَّيْبُ﴾ تاکہ یہ بات کھل کر سامنے آئے کہ برادران یوسف کا ارادہ مکمل یہ تھا کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے، اسی وجہ سے ڈھونگ رچا کہ بھیڑ یا یوسف کو (پوری طرح) کھا گیا۔ اپنے اس دعوے کی دلیل کے طور پر وہ چھوٹے خون کا کرتا بھی لے آئے، کاش وہ ایسا نہ کرتے! ایسا کر کے خود انہوں نے اپنے پیروں پر کپھاڑی مار دی، اس لیے کہ ان کا یہ عمل خود ان کے جھوٹ پر شاہد عدل تھا، روایتوں میں آتا ہے کہ جب حضرت یعقوب نے خون میں لت پت قمیص دیکھی تو فرمایا: کیسا شریف اور کیسا مہربان بھیڑیا ہے جو بغیر کرت وغیرہ پھاڑے، میرے بچے کو کھا گیا۔ آیت کو یہ پوری تصویر پیش کر رہی ہے ان کے دلوں کی کہ ان کے نہاں خانوں میں کیا احساسات جنم لے رہے تھے اور کیا جذبات قرار پارہے تھے جب ان کی زبانیں کہہ رہی تھیں (انہیں کی زبانی قرآن فرماتا ہے): ﴿وَمَا آتَتْهُمُ الْمَوْتُ مِمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ (یوسف: ۱۷) ”چاہے ہم کتنے ہی سچے ہوں لیکن آپ ہماری بات پر یقین نہیں کریں گے۔“ آخر انہوں نے یہ بات کیوں کہی؟ اس کا محرک کیا تھا؟ یہی تو تھا کہ انہیں پوری طرح یقین تھا کہ وہ چھوٹے ہیں، اور ڈر رہے تھے کہ کہیں والد محترم ان کے مکر کا پردہ نہ چاک کر دیں۔ ان کی یہ بات بالکل ایسی ہی تھی جیسے ”چور کی داڑھی میں تیکا“ کہ ہم لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ جو حقیقی مجرم ہوتا ہے وہ شک میں جلا کرنے کے لیے چننا چلاتا ہے کہ پزلو مجھے پزلو، میں ہی مجرم ہوں۔ ☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۱۸ کا)

تمام مذاہب میں غالباً سب سے زیادہ آزاد ہندو مذہب ہے، چندر کمپل کر لینے کے بعد پھر کوئی پابندی نہیں، ملک کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو سے کسی نے پوچھا تھا کہ ہندو کون ہے، ان کا جواب یہ تھا کہ جو اپنے کو ہندو کہے، مگر معاملہ اس سے بھی آگے ہے، بہت سے فرقے اپنے کو ہندو کہلانے میں عار محسوس کرتے ہیں، اور وہ اپنے آپ کو ہندو نہیں سمجھتے، پھر بھی ہندو کہے اور سمجھے جاتے ہیں، اس آزادانہ مذہب (جس کو تہذیب کہنا شاید صحیح ہو) کے ماننے والوں کے ساتھ رہتے ہوئے مسلمانوں میں بھی عملی طور پر آزادی بڑھتی جا رہی ہے، ان میں سے بھی بعض لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ چند کام کرنے کے بعد ہم آزاد ہیں، ہم تمام مسلمانوں کو اس خطرہ سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، اپنے تشخص کو پوری تفصیل کے ساتھ باقی رکھنے کی ضرورت ہے، جس میں عقائد بھی ہیں، عبادات بھی، معاملات بھی ہیں، اور معاشرت بھی، اخلاق و کردار کے اصول بھی ہیں، اور ایک دوسرے کے حقوق بھی، ان تمام شعبوں کو سمجھنے اور پھر اس کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنے کی ضرورت ہے، اس کے بغیر ایک مسلمان صحیح معنی میں مسلمان نہیں رہ سکتا، اور نہ اس کا اس آیت قرآنیہ پر عمل باقی رہ سکتا ہے۔ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً“ (اے ایمان والو! دین میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ)۔

☆☆☆☆☆

نکراؤ“ کے برخلاف نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ دو تہذیبوں میں نکراؤ نہیں، جوڑ، احتزاج اور ہم آہنگی ممکن ہے۔ اس کتاب کے مصنفین ”ایمانویل نوڈ“ اور یوسف کرباج نے دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے جائزہ کی بنیاد پر کہا ہے کہ تہذیبوں میں باہم تصادم ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کا کہنا ہے کہ ثقافتی و تہذیبی روایات کے تنوع سے یہ ہرگز نہیں کھٹنا چاہئے کہ اس سے تصادم یا نگر او پیدا ہوگا، بلکہ یہ تو تاریخ انسانیت کے ذخیرہ میں اضافہ کی دلیل ہے۔ رپورٹوں اور تحقیقی جائزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ میں دو قسم کے رجحانات پائے جاتے ہیں ایک ”تہذیبوں کے نکراؤ“ اور دوسرا ”تہذیبوں کے احتزاج“ کا۔

فی الواقع مشرق و مغرب کے درمیان جوڑ، قربت، مفاہمت اور تہذیبوں کے احتزاج و ہم آہنگی کا نظریہ ایک مثبت تعبیری تصور ہے، کیونکہ اس تصور سے انسانیت کی بقاء و سلامتی اور تہذیبی قدروں کا فروغ متوقع ہے، اس سے امن و امان، اخوت و محبت اور ایثار و یکجہتی کے پڑمردہ کلیوں میں جان پیدا ہو سکتی ہے، اس کے برخلاف اگر کشمکش و تصادم کی ذہنیت کو بڑھنے اور غلبہ حاصل کرنے کا موقع مل گیا تو انسانیت باہم دست و گریباں گروہوں میں بٹ جائے گی، امن عالم کے پیش نظر ہر شخص کی کوشش ہونی چاہئے کہ نکراؤ کے بجائے تہذیبوں کے احتزاج اور مشرق و مغرب کے درمیان جوڑ و مفاہمت کے تصور کو فروغ دینے کی کوشش کرے، کلیسا کے جامد اور روایتی رویے سے ہرگز مایوس نہ ہونا چاہئے۔ (عربی سے ترجمہ)

متنی رہتا ہے، ہنسی لذت کی کمی اور زیادتی کے تجربات کے تحت ہی انسان کی تمام جسمانی، ذہنی، دماغی، عملی اور دانش مندی کی کارفرمائیاں وجود پاتی ہیں، اس نظریے کو انسان کے تمام اہم زندگی پر محیط کرنے کی کوشش عالمی پیمانے پر کی گئی، یہ خود پسندی (Narci Sism) تھی، یعنی وہ نفسی کیفیت جس میں انسان اپنی ہی ذات کو کامل اور خود اپنے ہی عشق ذات میں غور ہٹا کانی سمجھتا ہے، اپنی جسمانی لذتوں کو پانے میں گم ہو جانے اور اسی کو مرکز حیات اور مقصد کائنات سمجھنے اور سمجھانے والوں کی ایسی شدید گونج تھی جو مختلف ناموں سے ۱۹ ویں صدی میں ابھی اور پوری ۲۰ ویں صدی میں گونج رہی اور ۲۱ ویں صدی کے آتے آتے غلط اور بے بنیاد ثابت کر دی گئی۔

تیسری آواز ڈارون کی تھی جس نے انسان کو بندر کا رشتے دار بتایا اور فلسفہ ارتقاء کے دیوانے گھر گھر نظر آنے لگے۔ ۲۰۰۰ء میں یہ ثابت ہوا کہ جب روشنی کی رفتار کو کئی گنا بڑھایا گیا تو اس تجربے کے دوران سائنس دان یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس تجربے میں تاثر (Effect) اس کے سبب (Cause) سے پہلے ہوئی۔ ایک اخبار نے لکھا کہ یہ ثابت ہوا ہے کہ کسی سبب سے پہلے اس کی تاثر کا ہونا ممکن ہے، اب تک خیال تھا کہ کسی بھی اثر، انجام، نتیجہ، یا حاصل کو پانا اس کے سبب، وجہ یا علت کے ہونے کے بعد ہی ممکن ہے، یہ تجربہ ثابت کرتا ہے کہ کسی واقعے کی ابتدا اس کی ابتدا سے پہلے بھی ممکن ہے، دوسرے الفاظ میں یوں کہیں کہ واقعہ خود اپنے آپ میں ایک تخلیق (Creation) ہے، یہ کسی دوسرے

واقعے کا رد عمل نہیں ہے، اب تک جو کہا جاتا رہا ہے کہ ہر عمل کسی عمل کا رد عمل ہے یا یہ کہ There is Reaction to every action یہ غلط ثابت ہوتا ہے، ۲۵ جون ۲۰۰۰ء کو یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک قدیم چڑیا کا فوسل (Fossil) جو لاکھوں سال بعد دریافت ہوا وہ بھی چڑیا ہی تھا، یعنی لاکھوں سال پہلے سے اب تک اس چڑیا میں کوئی ارتقاء (Evolution) نہیں ہوا، آج کی چڑیا بھی بالکل وہی چڑیا ہے، جو لاکھوں سال پہلے تھی، ابھی ۲۰۰۰ء میں انسانی جینوم (Genome) پراجیکٹ مکمل ہوا ہے جس میں زندگی کے حیاتیاتی میک اپ (Biological Makeup) کا مکمل نقشہ تیار کیا گیا جو اس صدی کا بڑا سائنسی کارنامہ ہے، اس پراجیکٹ کے نتیجے میں یہ بات اور واضح ہو گئی ہے کہ خدا کی تخلیق جو انسان کی شکل میں ودیعت کی گئی ہے وہ زندہ اشیاء میں سب سے عظیم تخلیق ہے، ماہرین ارتقاء کوشش کر رہے ہیں کہ انسانی جین (Gene) اور جانوروں کے جین میں مشابہت کی افواہ پھیلا کر کچھ مواد اپنے مطلب کا نکالنے میں کامیاب ہو جائیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ دانشوروں اور سائنس دانوں کی بڑی تعداد نظریہ تخلیق کی حامی (Creationist) ہوتی جا رہی ہے جن کا یہ اعتراف ہے کہ دنیا کسی عظیم قوت کی قوت تخلیق سے وجود میں آئی ہے، بتدریج ترقی کے مراحل سے گزرتی ہوئی اپنی موجودہ حالت کو نہیں پہنچی ہے۔ آئندہ جو مختصر تفصیلات بیان ہوں گی ان کی روشنی میں آپ خود اندازہ لگا سکیں گے کہ خدا شناس سائنس اب اپنے اختتام کو پہنچنے والی ہے اور ۲۱ ویں صدی انسان کو اپنے کھوئے ہوئے

خدا سے پھر ملا دے گی۔

ڈی این اے زندگی کا کوڈ

ڈی این اے میں موجود فرمان الہی جب سائنس کی سمجھ میں آنے لگا تو سب سے پہلے یہ مانا جانے لگا کہ زندہ اشیاء ایسی مکمل اور پیچیدہ ترتیب و ترکیب کا مرکب ہیں کہ یہ حادثاتی طور پر کسی اتفاق کے تحت وجود میں نہیں آسکتیں، جب تک یہ کسی بڑے ماہر اور قادر مطلق بنانے والے کی کارگزاری نہ کہی جائے، اگر کسی مقام پر اینٹ، پتھر، گارا، مٹی، قالین، ایرکنڈیشنز، ٹی وی اور ریفریجریٹر اور تمام رہائشی سامان موجود ہو اور پھر اچانک ایک حادثہ یا اتفاقی واقعہ ایسا ہو جائے کہ یہ سب مل کر بادشاہ سلامت کا محل بن کر ابھر آئے، یہ جادو کی کہانی تو ہو سکتی ہے ایک سائنسی حقیقت کبھی نہیں ہو سکتی، اب ڈی این اے میں چھپے ہوئے تین بلین یا ۳۰۰۰۰۰۰۰ کییمیائی حروف کو Decod کرنا اور انسانی ڈی این اے میں موجودہ ۸۵ فیصد ڈی این اے ترتیب و سلسلہ (Sequence) میں لانا ممکن ہوگا، اتنا اہم اور کامیاب پراجیکٹ بھی اس کے لیڈر ڈاکٹر فرانسس کولنز (Francis Collins) کے بقول ابھی پہلا قدم ہے جو ڈی این اے میں چھپی معلومات حاصل کرنے کی طرف اٹھایا گیا ہے، معلومات کے اس ذخیرے کو حاصل کرنے میں اتنا زمانہ کیوں لگا، اس سوال کا جواب ملے گا اگر ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ڈی این اے میں کس نوعیت کی معلومات پوشیدہ ہیں۔

ڈی این اے کی دنیا

ڈی این اے ہمارے جسم کے ۱۰۰ ٹریلین خلیوں میں سے ہر ایک خلیے کے مرکزے

(Nucleus) میں بڑی حفاظت سے موجود ہوتا ہے، ہر خلیے کا قطرہ ۱۰ مائیکرون (Micron) ہوتا ہے، مائیکرون ۱۰⁻⁶ - 10 کو کہتے ہیں، گویا میٹر کا دس لاکھواں حصہ یا ملی میٹر کا ایک ہزارواں حصہ، اتنے چھوٹے خلیے کے درمیان ڈی این اے محفوظ ہوتا ہے، اس ڈی این اے میں انسانی جسم کی ساخت اور بناوٹ کی تمام تفصیلات اتنی وسعت، گیرائی اور گہرائی کے ساتھ لکھی ہوئی ہیں کہ اس کا وجود اللہ رب العزت کی صنای کی اپنے آپ میں ایک مثال ہے، اپنے سمجھنے کے لیے ان معلومات کو صرف سلسلہ ترتیب میں لاکر انسان پھولا نہیں سارہا ہے، اس علم کو ایک عظیم الشان شعبہ علم سے وابستہ کر کے اسکو جینیات (Genetics) کا نام دیا گیا ہے، ۲۱ ویں صدی کی یہ علمی شوق ابھی گھنٹوں چلنے کی عمر میں ہے، اس میدان میں ابھی اور نہ جانے کیا کیا انکشافات ہونے ہیں۔

ڈی این اے میں زندگی

آج مثلاً ۲۵ سال کی عمر میں ہم اپنا سراپا آئینے میں دیکھیں تو یہ بے داغ جسم، یہ حسین و پرکشش شکل و شباہت، یہ صحت و تندرستی، یہ علم و دانش سے آراستہ ذہن و عقل کس طور ترقی کرتے ہوئے اس حال کو پہنچیں گے یہ علم ۲۵ سال اور ۹ ماہ پہلے اس ڈی این اے میں لکھ دیا گیا تھا جو ماں کے پیٹ میں سب سے پہلے بار آور شدہ بیضے (Fertilized Egg) کے خلیے کی شکل میں نمودار ہوا تھا۔

اتنا ہی نہیں ہماری لمبائی چوڑائی، وزن، ناک، نقشہ، چہرہ، مہرہ، بالوں اور آنکھوں کا رنگ، جلد کا رنگ، خون کی قسم وغیرہ نطفہ ٹھہرنے سے شروع ہو کر موت تک روز بروز ماہ بہ ماہ، سال بہ سال تبدیلیوں کا

حال ایک مکمل تسلسل کے ساتھ ڈی این اے میں موجود رہتا ہے، مثلاً اس میں لکھا رہتا ہے کہ کب کب خون کا دباؤ زیادہ ہوگا اور کب کم رہے گا، کب سر کا پہلا بال سفید ہوگا اور کب ڈور کی اور قریب کی نظر کمزور ہو جائے گی۔

انسانی خلیے میں ضخیم انسائیکلو پیڈیا

ہم معلومات کے ذخیروں کو انسائیکلو پیڈیا کی طرز پر جانتے ہیں، ڈی این اے میں پوشیدہ معلومات کا ذخیرہ کوئی معمولی ذخیرہ نہیں، ایک ڈی این اے میں موجود معلومات کو اگر کتابی شکل میں منتقل کیا جائے تو یہ برطانوی انسائیکلو پیڈیا کے دس لاکھ صفحات میں مکمل ہوگا۔

ذرا تصور کریں کہ انسانی جسم کے ۱۰۰ ٹریلین خلیوں میں سے ہر خلیے کے مرکزے کے اندر ایک مالیکول (Molecule) جس کا نام ڈی این اے ہے، ملتا ہے، اس کا سائز ایک ملی میٹر کا ایک ہزارواں حصہ ہے اور اس میں وہ معلومات درج ہیں جو دنیا کے سب سے بڑے انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا سے ۴۰ گنا زیادہ ہیں جو اسی انسائیکلو پیڈیا جیسی ۹۲۰ جلدوں میں سما سکے گا، جس میں متعدد معلومات کی ۵ بلین قسمیں یا جزئیات (Pieses) محفوظ ہیں، اگر ہر ایک جز کو پڑھنے پر صرف ایک سینکڑ صرف کیا جائے اور ۲۴ گھنٹے متواتر پڑھنے کا سلسلہ رہے تو اسے ایک بار پڑھنے کے لیے ۱۰۰ سال لگ جائیں گے۔

۹۲۰ جلدوں کی ان کتابوں کو اگر ایک دوسرے کے اوپر سجایا جائے گا تو ۷۰ میٹر اونچا کتابوں کا مینار تیار ہو جائے گا، یہ سب معلومات اس ذرے میں سما دی گئی ہیں جو پروٹین، چربی اور پانی کے چند مالیکولوں

سے مرکب ہے۔ جی جی تھامس نے لکھا تھا کہ ہماری زمین پر کل جان دار اشیاء ایک ہزار بلین ہیں، ان تمام اشیاء کی معلومات ڈی این اے کی شکل میں جمع کی جائے تو چائے کے ایک چمچے میں آجائیں گی اور پھر بھی جگہ خالی رہے گی۔

خلیے میں دانائی

جسم انسانی کے سارے ۱۰۰ ٹریلین خلیے عجیب حکمت اور دانش مندی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں، یہ اظہار بے جان ایٹموں کا مجموعہ ایک بے روح شے ہونا چاہئے، ہم اگر تمام عناصر کے ایٹم جمع بھی کر لیں، انکو کسی بھی ترتیب سے لگائیں مگر وہ دماغ، وہ سمجھ بوجھ اس ذخیرہ ایٹم سے حاصل نہیں کر سکتے جو کسی عمل کے سلیقے، سلسلے اور ترتیب کے ساتھ انجام دینے کے لیے ضروری ہے، جس طرح ہر عقل و سمجھ بوجھ والے کام کے لیے ضروری ہے کہ کسی دانش مند نے اس کام کو انجام دیا ہو، وہ کمپیوٹر ہو یا کوئی اور کام ہو، اسی طرح ڈی این اے بھی اپنے بنانے والے سے عقل و دانش اور سمجھ بوجھ لے کر آیا ہے۔

(جاری)

دعائے مغفرت
لکھنؤ، ۲۰ فروری۔ دفتر مالیات دارالعلوم ندوۃ العلماء کے رکن محمد اسلم کرمانی صاحب کی والدہ کا طویل علالت کے بعد مورخہ ۱۹ نومبر ۲۰۰۰ء کو رات ۷ بجے انتقال ہو گیا، جنازہ کی نماز دوسرے دن ظہر کے بعد دارالعلوم میں حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی صاحب مہتمم دارالعلوم نے پڑھائی، جنازہ میں کثیر تعداد میں اساتذہ کرام و طلباء کے علاوہ شہر کے معزز حضرات نے شرکت کی، تدفین قطعی راج کے قبرستان میں ہوئی، قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مکمل دین

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ کی شریعت آخری شریعت ہے، اس کی تکمیل ہو چکی، اور اس کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر بزبان وحی کیا جا چکا کہ ﴿اليوم اكملت لكم دينكم وانممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام ديناً﴾ (آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا، اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں، اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا)۔

شریعت اسلامیہ کو آخری اور مکمل شریعت ماننا عقیدہ کا جز ہے، اور ہر ایمان والے کا یہی عقیدہ ہوتا ہے، علماء امت شریعت کے خادم و ترجمان ہیں، اس میں معمولی تبدیلی کی بھی گنجائش ان کے لیے نہیں ہے، کوئی بڑے سے بڑا عالم ہو، شیخ طریقت ہو، صاحب کرامات ہو، ہوا میں اڑتا ہو، یا پانی پر چلتا ہو، اس کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ دین و شریعت میں کمی زیادتی کرے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ منحرف ہے اور دین سے ہٹا ہوا ہے، ہر مسلمان اس کو جانتا ہے لیکن بہت سے سادہ لوح لوگ ایسے بھی ہیں جو دین سے بالکل واقف نہیں ہوتے اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ بڑے مشائخ اور بیروں کو یہ حق حاصل ہے، اور نفس پرست بیہ جو حقیقت میں اپنے شکم کے مرید ہوتے ہیں، مختلف علاقوں میں جا کر ان سادہ لوح مسلمانوں سے زمین و سول کرتے ہیں، اور روزے نماز معاف کر دیتے ہیں، ایسے لوگ حقیقت میں نبوت محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے ڈاکو ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو امانت سپرد کی تھی اس پر یہ ڈاکو ڈالتے ہیں اور خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں، ایسے گمراہوں سے بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے۔

دین و شریعت کی تکمیل پر ایمان کے باوجود ہم میں سے اکثر لوگوں کا حال عملی طور پر اس سے مختلف ہے، دین کو ہم نے خانوں میں بانٹ دیا ہے، اس کے مختلف شعبوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو بہت ہی گنے چنے افراد وہ ہوں گے جنہوں نے دین کے تمام شعبوں کو سمیٹا ہوا، اور ان کی زندگی مکمل دین کی ترجمان ہو، اکثر و بیشتر لوگوں کا حال یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کی طرح انہوں نے اسلام کو بھی چند عبادات کا مجموعہ سمجھ لیا ہے، اور اسی کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں، معاملات و معاشرت میں لوگ عام طور پر اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں، اور آزاد ہی رہنا چاہتے ہیں، وہ ان مسائل میں حدود و قیود کو بالکل پسند نہیں کرتے، جب کہ حدیث میں صاف صاف ارشاد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے کہ "الدين بسبحن المؤمن وحنه الكافر" (دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے)

ایمان والا دنیا میں پابند ہے اور پابندی کی زندگی اس سے مطلوب ہے کہ وہ کسی چیز میں آزاد نہیں، وہ اپنے من چاہے طریقہ پر نہ کھاسکتا ہے نہ پی سکتا ہے نہ تعلقات قائم کر سکتا ہے، نہ ترک تعلق کر سکتا ہے، اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں وہ دین کا پابند

ہے، ازدواجی تعلقات ہوں یا کاروباری معاملات، مسئلہ کھیل کود کا ہو یا تفریح طبع کا ہر جگہ تعلیمات نبوی کی رہنمائی موجود ہے، ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اسی دائرہ میں رہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ حقیقت سمجھ لی تھی، ایک ایک ضرورت بھی وہ دین سمجھ کر اور دین کے سائے میں رہ کر انجام دیتے تھے، حضرت سلمان فارسیؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک یہودی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تمہارے نبی تو تمہیں ہگنا موتا بھی بتاتے ہیں، انہوں نے برامانے کے بجائے بڑی سنجیدگی سے اس کی تفصیلات بتانی شروع کر دی، یہ نبوی مزاج سے ہم آہنگی کی بات تھی، اگر کوئی دوسرا ہوتا تو یا غصہ ہو جاتا یا اس کی کچھ تاویل کرتا، حضرت سلمان فارسیؓ نے صاف صاف دین کی ترجمانی فرمائی اور بات واضح کر دی۔

گلوبلائزیشن (Globalization) کے اس دور میں جب دنیا کو امریکی نظام کے شکنجے میں کسے کی کوششیں ہو رہی ہیں، دین اس کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اسی لیے سارے جتن اس کے لیے کیے جا رہے ہیں کہ دین کو کنارے لگا دیا جائے اور چند رسموں میں اس کو سمیٹ دیا جائے، تاکہ ٹکراؤ کی کوئی صورت ہی پیدا نہ ہو، ظاہری عبادت کرنی جائیں، پھر انسان آزاد ہو، رہن کہن میں، شادی بیاہ میں، کاروبار میں، تفریح کے کاموں میں اور کھیل کود کے میدانوں میں، اسلام میں اس کا تصور نہیں ہو سکتا کہ جو اللہ کا ہے وہ اللہ کو دو، جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو، اسلام میں اس کی کوئی تفریق نہیں، یہ ایک پورا نظام زندگی اور ضابطہ حیات ہے، زندگی کے ایک ایک جز کے لیے اس میں تعلیمات موجود ہیں، اور مسلمان ان تعلیمات کا پابند ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

مغرب کا معاشرتی نظام



مسلمان نسیم ندوی

خاندان فرد کی اولین تربیت گاہ اور معاشرہ کا بنیادی پتھر ہے، دوسری عالمی جنگ کے بعد سے مغرب میں خاندان کی اہمیت و معنویت، اقدار و روایات کی قدر و قیمت بتدریج گھٹتے گھٹتے تقریباً معدوم ہو چکی ہے، مغرب میں فرد (مرد/عورت) کی کامیابی کا دار و مدار معاشرتی بہتری اور مادی ترقی پر ہے، خاندان اب مغربی تہذیب میں ایک بوجھ اور ایسی اضافی معاشرتی پابندی سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کو فرد پسند نہیں کرتا، مغرب خاندانی نظام کو فرد کی بے لگام شہوانی خواہشات کی تکمیل کی راہ میں سنگ گراں سمجھتا ہے، اس لئے کہ یہ نظام فرد کو ہر شام ایک نئی شام اور ہر شب کو شب عروسان بنانے کے بجائے ایک ہی ہستی (شوہر/بیوی) کا پابند بناتا ہے، یہ احساسات اور جذبات مغربی مرد اور عورت دونوں میں مشترک ہیں، اگر کبھی کسی ماں کی مامتا جاگ بھی اٹھتی ہے تو وہ اپنے کسی عزیز بقریبی دوست یا کبھی کسی راہ گیر کے بچے کو گود لے کر اس جذبہ کی تسکین کی ناکام کوشش کرتی ہے، حالانکہ اس کے نتیجہ میں معاشرہ میں دیگر پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں، مغرب میں خاندانی نظام سے دلچسپی رکھنے والی متعدد مغربی آئینہ نویسوں کی رپورٹیں آچکی ہیں، ہر دست دور پورٹیں پیش کی جاتی ہیں، ایک رپورٹ امریکا میں خاندانی نظام کے بکھراؤ، اقدار و روایات کے زوال پر مبنی ہے جبکہ دوسری رپورٹ میں

یورپ کا جائزہ لیا گیا ہے۔

امریکی میگزین (U.S.A. TODAY)

نے شمارہ ۲۸ جنوری ۱۹۹۷ء میں تحریر کیا ہے:

”آج کل دنیا کے بیشتر ممالک میں روایتی

خاندانی نظام کا بحران عروج پر ہے، ۱۹۶۰ء-۱۹۹۲ء

کے دوران ۲۰-۲۳ سال کی ذہن بیاہی ماؤں کی

تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے، ۱۵-۱۹ سال کی

لڑکیوں میں یہ تناسب چار گنا زیادہ ہے، ترقی پذیر اور

غریب ممالک میں طلاق کی شرح بڑھ رہی ہے، بلکہ

ان ممالک کی پہچان یہ بن گئی ہے کہ گھر کا نظام یا

تو عورتوں کے دوش ناتواں پر ہے یا کم از کم ۵۰%

فیصد سے زیادہ خرچ کا بار تنہا عورت ہی اٹھاتی ہے۔

مغرب میں خاندانی نظام کا یہ بحران اس کے

مروجہ معاشرتی نظام کی پیداوار ہے، پوری دنیا میں

موجودہ مغربی معاشرتی نظام چھوٹے روایتی خاندان کو

اسی طرح قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہے جس طرح

دو صدی قبل کے صنعتی انقلاب نے روایتی بڑے

خاندان کے اقدار سے سمجھوتہ نہیں کیا تھا۔

امریکا میں % ۳۳ فیصد ایسے مرد جن کی

عمر ۲۵-۳۳ کے درمیان ہے، اتنی تنخواہ پاتے ہیں جو

چار افراد پر مشتمل خاندان کی کفالت کے لئے ناکافی

ہوتا ہے، اور وہ فقر و افلاس کی گردش سے باہر نہیں

آپاتے، جہاں ایک طرف مردوں کی آمدنی

خطرناک حد تک گراؤٹ آرہی ہے وہیں خاندان کی کفالت کا معیار بڑھ رہا ہے، مثال کے طور پر موجودہ معاشی نظام میں اولاد کو محفوظ مستقبل دینے کے لئے ان کی اعلیٰ اور معیاری تعلیم کی سخت ضرورت ہے، موجودہ معاشی نظام کا یہ وہ کمزور پہلو ہے جس نے مغرب میں خاندان کی تشکیل سے دور بھاگنے کا عمومی رجحان پیدا کر دیا ہے، کیونکہ فرد یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ خاندان کی محفوظ کفالت پر قادر نہیں ہے۔

مغرب میں عورت سخت ذہنی دباؤ کا شکار ہے، اس لئے کہ ملک کا معاشی نظام عورت کو نصیحت کرتا ہے کہ ”نان شینہ کے لئے پسینہ بہاؤ!“ دوسری طرف قدم تہذیبی روایات اور رسم و رواج اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ ”خاتون خانہ بنو! اپنے لخت جگر پر توجہ دو!“ یہ ایسی کشمکش ہے جس نے مغرب میں عورت کو شدید ذہنی اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔

خاندان کی کفالت کرنے والا فرد خاندان پر خرچ کرنے والی رقم میں مسلسل کمی کر رہا ہے، اس لئے کہ اس کو خاندان سے زیادہ محفوظ معاشی مستقبل عزیز ہے، مغرب میں فرد ایسا خاندان تشکیل کرنا چاہتا ہے جس میں باپ بننے یا حقوق پداری ادا کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے، یا پھر وہ طلاق دیکر نفعہ کی ادائیگی سے بچتا چاہتا ہے، یا پھر وہ اپنا ملک چھوڑ کر کسی دوسرے صنعتی ملک میں منتقل ہو جاتا ہے، کچھ عرصہ تک گھر کا خرچ بھیجتا ہے، پھر وہ بھی بند کر دیتا ہے، مغرب میں % ۲۵ فیصد ایسے خاندان ہیں جن میں بچے باپ کی شفقت اور مالی مدد کے محتاج ہیں لیکن باپ گھر سے غائب ہے، اس میں مغرب کا یہ نظام بھی شدہ رہا ہے کہ عورت سوشل ویلفر سے اسی وقت فائدہ اٹھا سکتی ہے جب اس کے گھر میں کوئی مرد نہ ہو، جن بچوں کو یہ امداد حاصل ہے وہ اس سہولت سے بہت کم ہوتی ہے جو اس کو باپ

سے محروم گھر میں حاصل ہو سکتی ہے۔

سروس کی رپورٹیں بتا رہی ہیں کہ مغرب میں خاندانی مضبوطی پائیدار روابط پر اس رابطہ کو ترجیح دی جا رہی ہے جس میں فریقین کو وصل و فصل کا مکمل اختیار حاصل ہو، سرمایہ دارانہ نقطہ نظر اولاد کو منافع کا مرکز نہیں بلکہ ذمہ داریوں، پابندیوں اور اخراجات کا مرکز قرار دیتا ہے۔

جن خاندانوں میں بچے ہیں وہاں پر ماں باپ کی توجہ ماضی کے مقابلہ میں % ۳۰ فیصد کم ہو گئی ہے، عورت جب سے میدان عمل میں آئی ہے تب سے ۱۳ سال سے کم عمر کے دو ملین بچے بغیر نگرانی کے آزادانہ پروان چڑھ رہے ہیں۔

دوسری رپورٹ (NEWS WEEK) کی ہے جو ۲۰ جنوری ۱۹۹۷ء کو شائع کی گئی ہے:

”کیا یورپ میں اب تک کوئی ایسا رہ گیا ہے جو شاہی پر لیتین رکھتا ہو؟ دو شیڈ اولوں کی جس پہلی کھپ نے شادی سے گریز کیا تھا اب وہ دادی کی عمر کو پہنچ چکی ہیں، بن بیانی ماؤں کی کثرت نے یورپ کی آبادی پر منفی اثر ڈالا ہے، سوڈن میں نصف سے زیادہ بچے ناجائز ہیں، فرانس اور انگلینڈ میں ہر تین میں سے ایک بچہ ناجائز ہے، یورپ کی موجودہ صورتحال یہ ہے کہ کوئی ایسا صاحب اولاد ہی نہیں بچا جو بچے کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتا ہو یا وہ ضرورت محسوس کرے کہ اس کے بچہ کو کوئی گود لے، موجودہ یورپ میں بچے اپنے ماں باپ کی شادی کی محفلوں میں شریک ہوتے ہیں۔“

ڈنمارک میں بغیر شادی شدہ تہا باپ اور تہا ماں کا رواج استقر عام ہو چکا ہے کہ مردم شماری کے محکمے ان کو میاں بیوی مانتے پر مجبور ہیں، ایئر لینڈ جہاں ۱۹۹۷ء میں پہلی بار طلاق کی اجازت دی گئی اور

جہاں اسقاط حمل ممنوع ہے وہاں بھی بن بیانی ماؤں کی تعداد بیانی ماؤں سے کئی گنا زیادہ ہے۔

تہا ماں اور تہا باپ کے معاشرہ میں دوسرے دیگر خطرات ایسے منڈار ہے ہیں جو معاشرہ کی پولوں کو ہلا کر رکھ دینا چاہتے ہیں، افلاس، ڈرگس کا استعمال، معیار تعلیم میں انحطاط، بے روزگاری عام ہو رہی ہے، تم یہ ہے کہ افلاس زدہ علاقوں میں پانچ

میں چار بچے بن بیانی ماں کی اولاد ہیں۔ ایر لینڈ میں کیتھولک کلیسا اپنا اخلاقی دباؤ مکمل طور پر کھو چکا ہے، عورتوں کی ایسی مضبوط تحریک ابھر رہی ہے جن کے نظریات کے سامنے کلیسا کھٹنے ٹیک رہا ہے، یہ صورتحال ۱۹۹۷ء میں فرانس میں پیش آچکی ہے جہاں صدر جان شیراک کی بیٹی نے اس کے ناجائز نواسہ کو جنم دیا تھا۔

۱۹۹۳ء میں ایک سرکاری رپورٹ میں ناجائز بچوں کی جو تعداد پیش کی گئی ہے اس سے یورپ کے خاندانی نظام کی حالت زار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ سوڈن میں ۵۰ فیصد، ڈنمارک میں ۳۶.۸ فیصد، ناروے میں ۲۵.۹ فیصد، فرانس میں ۲۳.۹ فیصد، امریکا میں ۳۲ فیصد، فنلینڈ میں ۳۱.۳ فیصد، ہالینڈ میں ۳۱.۱ فیصد، آسٹریا ۲۶.۳ فیصد، آئر لینڈ میں ۱۹.۷، پرتگال میں ۱۷ فیصد، جرمنی میں ۱۵.۳ فیصد، کسمبرگ میں ۱۲.۹ فیصد، بلجیم میں ۱۲.۶ فیصد، اٹلی میں ۷.۳ فیصد اور یونان میں ۲.۹ فیصد ناجائز اولاد پرورش پارہی ہے۔

یورپ کے بہت سے ممالک میں معاشرتی تحفظ حقوق اور ٹیکس کا نظام شادی سے گریز کے رجحان کی سرپرستی کرتا ہے، بغیر شادی شدہ ماں ایک ناجائز بچے کے عوض ماہانہ ۳۰۰-۵۰۰ تک امریکی ڈالر کا سوشل ویلفر حاصل کرتی ہیں، جبکہ شادی ان کو اس مدد سے محروم

کر دیتی ہے، بعض ممالک میں جو لڑکیاں مرہقت کے دور میں حاملہ ہو جاتی ہیں، ان کے خوب نخرے اٹھائے جاتے ہیں، ان کو آداب مادری، حفظانِ صحت اور

غذائے سانی کی باقاعدہ تعلیم اور ٹریننگ دی جاتی ہے، ایئر لینڈ میں ایسی لڑکیاں تولید کے لئے سرکاری ہسپتالوں اور زچہ خانوں کا رخ کرتی ہیں، اب یورپ میں عام طور پر کنزرویٹو حکومتیں بھی بغیر شادی کے ماں بننے کو قبول کرتی جا رہی ہیں، لیکن یورپ کے بعض سنجیدہ حلقوں میں اس صورتحال سے بغاوت کی محسوس کی جاسکتی ہے، اس کا محرک دینی یا اخلاقی نہیں ہے بلکہ گذشتہ سالوں میں یورپ میں شرح پیدائش میں غیر معمولی گراؤ کے بعد دائیں بازو کے سیاستدانوں تولید کی ترویج کر رہے ہیں، بلکہ یورپین ممالک میں شرح پیدائش کے صفر ہونے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی آفتوں کے نتیجے میں پینشن سسٹم افلاس کے خطرہ سے دوچار ہے، بعض ممالک تو گھبرا کر کھلم کھلا روایتی اقدار کو اپنانے کی دعوت دینے لگے ہیں، اس کی واضح مثال برطانیہ ہے جہاں پر ٹونی بلیر کی قیادت میں لیبر پارٹی نے کنزرویٹو پارٹی کی فکر کو اپنالیا ہے۔

اضافی آمدنی کے رجحان نے یوں تو باپ، ماں اور بچہ تینوں پر برے اثرات مرتب کئے ہیں، لیکن بچہ اس صورتحال سے سب زیادہ متاثر ہوا ہے، جس کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

☆ سات سال کا ایک بچہ جب مدرسہ سے گھر لوٹتا ہے تو تہائی کا خوف اس پر اتنا حاوی ہوتا ہے کہ وہ غسل خانہ میں بند ہو کر دروازہ بند کر لیتا ہے۔

☆ شیکاگو میں ایک دس سالہ بچہ ٹیلیفون پر اپنی ماں سے رابطہ کرتا ہے جو کام پر گئی ہوئی ہے، بچہ فون ہی پر بیساختہ بلک بلک کر رونے لگتا ہے۔

☆ ایک بچہ اپنے گھر کی نگرانی اس طرح کرتا

ہے کہ ایک ہاتھ میں موٹا ڈنڈا ہے تو دوسرے ہاتھ میں جوتا، ہر پندرہ منٹ پر وہ کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھتا ہے۔

☆ نیویارک میں فائر بریگیڈ کو موصول ہونے والے پیغامات میں ہر چھ پر ایک پیغام ایسے بچہ کا ہوتا ہے جو گھر پر تنہا ہے۔

امریکا میں تقریباً ۵۵ ملین بچے اپنے والدین کے انتظار میں دن گزار دیتے ہیں، سرکاری رپورٹ کے مطابق امریکا میں % ۶۰ فیصد بچے اس ٹریجڈی کے شکار ہیں۔

اضافی آمدنی کے حصول کی سعی و کوشش کا ایک برا نتیجہ شرح طلاق میں اضافہ ہے، امریکا میں سالانہ ۱۲ ملین طلاق کے واقعات پیش آتے ہیں، جبکہ ایک بڑی تعداد مصارف اور عدالتی کارروائی کے جھیلوں سے بچنے کے لئے عدالت کا رخ نہیں کرتی اور اس کا ریکارڈ محفوظ نہیں ہو پاتا۔

اس صورتحال کا ذمہ دار کسی حد تک مغرب کا موجودہ نظام قانون بھی ہے، گذشتہ صدی کی تیسری، چوتھی اور پانچویں دہائی کے آغاز میں معاشرہ کلیسا اور روایات سے جڑا ہوا تھا لیکن پانچویں دہائی کے اختتام کے ساتھ ہی خاندانی و معاشرتی مشکلات کے حل کا بیڑہ قانون نے اٹھالیا، کلیسا اور معاشرتی روایات کو معزول کر دیا گیا، مغرب نے اس کھلی حقیقت کو فراموش کر دیا کہ مشکلات کو ختم کرنے کی صلاحیت قانون میں نہیں بلکہ دینی شعور اور معاشرتی اقدار میں ہے، جیسا کہ مذاہب کی تاریخ اس پر گواہ ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ قانون کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور اس مشکلات کو ختم کرنے کے بجائے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیا۔

خاندانی نظام کی تباہی کا ایک پہلو مغرب میں بوڑھوں کی تعداد میں اضافہ ہے، طب میں ترقی اور

حفظانِ صحت کا معیار بلند ہونے کی وجہ سے ۱۹۰۰ء میں مغرب میں عمر کا اوسط ۴۳ سال تھا، بڑی عمر کی آبادی میں اضافہ کا اثر شرح ولادت پر پڑا ہے، آبادی کے ڈھانچے کو متوازن رکھنے کے لئے جو شرح پیدائش مطلوب ہے اس میں % ۲.۱۰ فیصد کی ریکارڈ کی گئی ہے، امریکا میں پیدائش کا تناسب % ۱.۸۸ فیصد ہے، جو مطلوبہ معیار سے بہت کم ہے، اس کا تکلیف دہ انجام یہ ہے کہ معاشرہ نو جوانوں سے ویران اور بوڑھوں سے آباد ہے، جس کے نتیجے میں حفظانِ صحت پر آنے والی لاگت اور پینشن کا حجم بڑھتا جا رہا ہے، آمدنی گھٹ رہی ہے، اگر یہی صورتحال قائم رہی تو تو ٹیکس میں خطرناک حد تک اضافہ کرنا ہوگا، یا پھر پینشن اور امدادی رقم میں کٹوتی کرنی ہوگی جس کی وجہ سے اجتماعی نظام کو سہارا دینے کا جذبہ معدوم ہو جائے گا، جس کا منفی اثر معاشیات پر پڑیگا اور جیسا کہ علم الاجتماع کے ماہر جرمن پروفیسر بیٹرفون اھرنے کہا ہے کہ یہ صورتحال آخر کار مغرب کے پورے معاشرتی نظام کو ڈھا دیرگا۔

مغرب میں ایک نسل ایسی پروان چڑھ رہی ہے جو ماں، بیٹی، بیوی، بھابھی، بہو، ساس، دلہن کی محبت و قربت سے محروم ہے، یہ نسل 'محبت، الفت اور احترام' جیسے الفاظ کی حقیقت کو کیسے محسوس کر سکے گی، اور ان الفاظ کے حقیقی مفہوم سے کیسے آشنا ہوگی، یہی وجہ ہے کہ آج مغرب میں بوڑھوں کی تعداد میں مسلسل اضافے اور ان کی طویل عمری کے باعث سماجی بہبود کی مدد میں ان بزرگوں پر اٹھنے والے بھاری اخراجات نے نو جوان نسل کو مشتعل کر دیا ہے، مغربی معاشروں میں قومی میزائے [بجٹ] کا پچاس سے ساٹھ فیصد طویل العمر بزرگوں کی دیکھ بھال پر اٹھ جاتا ہے، دنیا کی تاریخ کی بوڑھی ترین تہذیب جب اپنے تحفظ کے لئے ان بوڑھوں پر رقم خرچ کر رہی ہے تو اب نو جوانوں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا

جا رہا ہے کہ بوڑھوں کا ایک ووٹ ہو اور نو جوانوں کے دو ووٹ ہوں تاکہ بوڑھے اپنی عددی اکثریت کی بنیاد پر اپنے حق میں قوانین نہ بنوائیں، جس معاشرے میں بزرگوں سے اس قدر بغض، نفرت اور حقارت موجود ہو وہ دنیا کا ذلیل ترین معاشرہ ہے۔

مولانا جلال الدین عمری نے مغرب میں خاندان کی بربادی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

”خاندانی نظام عورت کی وجہ سے قائم تھا، اس کے اندرونی نظم و نسق کو وہ سنبھالے ہوئے تھی، عورت کی تلک و دو جب گھر سے باہر ہونے لگی اور بیرونی مصروفیات نے اس کے اوقات کو گھیر لیا تو خاندان کا نظم بکھر گیا، اس نے جو کچھ حاصل کیا اس کی قیمت گھر کی بربادی کی شکل میں اسے ادا کرنی پڑی، خاندان معاشرہ کا بنیادی پتھر ہے، جب یہ اپنی جگہ سے ہٹا تو پورا معاشرہ درہم برہم ہو گیا، عورت مرد کے لئے وجہ سکون تھی اب نہیں رہی، ان کے درمیان وہ محبت باقی نہیں رہی جسکی وجہ سے زندگی کے تشیب و فراز میں وہ ایک دوسرے سے جوڑے ہوئے تھے، والدین اور اولاد کا مضبوط رشتہ کم زور پڑ گیا، اولاد کیلئے والدین مرکز محبت ہوتے ہیں، یہ مرکز ان سے چھن گیا اور وہ نرسنگ ہاؤسز کو حوالے ہو گئے، والدین کے بڑھاپے کا سہارا ان کی اولاد ہوتی ہے، یہ سہارا ٹوٹ گیا اور وہ انتہائی بے بسی اور کمپرسی کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے، یہی نہیں وہ سارے تعلقات جو خاندان کی بقا کے ساتھ وابستہ تھے اس کے ٹوٹنے ہی ختم ہوتے چلے گئے اور انسان اس سکون سے محروم ہو گیا جو صرف خاندان ہی فراہم کر سکتا ہے، خاندان کا ٹوٹنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ اتنا بڑا خسارہ ہے کہ کوئی بھی معاشرہ زیادہ دن اسے برداشت نہیں کر سکتا، بالآخر وہ اُسے لے ڈوبے گا۔“

(جاری)

ہندوستان کی متضاد تصویریں

انیس احمد ندوی

ایک مغل شہنشاہ نے کہا تھا ع

اگر فردوس بروائے زمین است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است

ایک محب وطن شہنشاہ کی زبان سے یہ بیٹھے

بول جس نے ہندوستان کو روئے زمین کا فردوس

قرار دیا تھا کانون کو کس قدر بھلے لگتے ہیں، اس شعر

میں اس وقت کے لحاظ سے صداقت تھی، اس وقت

ہندوستان سونے کی چڑیا تھا جس کی تلاش میں

پرنگال اور انگریز ہندوستان آئے اور یہاں کی دولت

سے خوب خوب فائدہ اٹھایا اور جب گئے تو اسے

مفلوک الحال پریشان و تنگ دست چھوڑ کر گئے، ہاں

اتنی بات ضرور ہے کہ ہمارے پاس اسباب و وسائل

تھے، ہمت و طاقت تھی، دانشمندی اور اعلیٰ حوصلگی تھی،

ہم نے تیکوں کو جوڑ جوڑ کر ایک شاندار ہندوستان کی

تعمیر کی، اسے ہم نے دوبارہ گل و گلزار بنا دیا پھر بھی

ہم اسے روئے زمین کا فردوس بنانے میں شاید ناکام

ہیں، اس لیے کہ اب بھی ہمارے بہت سارے

خواب جن سے واقعی ہندوستان فردوس نما بن سکتا

ہے نامکمل ہیں، اب بھی بہت ساری تصویروں میں

رنگ بھرتا باقی ہے اور اب بھی ہمیں آرام کرنے سے

پہلے میلوں کا سفر طے کرنا ضروری ہے، آئیے ہم

دیکھیں کہ ہم نے آزادی اور خصوصاً یوم جمہوریہ کے

۵۹ سالوں میں کیا ترقی کی اور ہمیں ابھی کتنی محنت

کرنا باقی ہے۔

ہم نے حال ہی میں ۵۹ واں یوم جمہوریہ بڑی

دھوم دھام سے منایا ہے، اس موقع پر ہمیں حضرت

جگر مراد آبادی کے وہ اشعار یاد آتے ہیں جو انھوں

نے ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو اعلان جمہوریہ کے موقع پر

کہے تھے ع

چمن چمن ہی نہیں جس کے گوشہ گوشہ میں

کہیں بہار نہ آئے کہیں بہار آئے

خلوص وعدل و مساوات دل میں گھر کر لیں

نہ یہ کہ ذکر زباں پر ہی بار بار آئے

جگر مراد آبادی کے ان اشعار میں جمہوریت کا

استقبال ہے اور اس کی کامیابی کے لیے دعا بھی،

ملک کی ترقی و خوشحالی کے لیے درد و تڑپ کے ساتھ

ساتھ خلوص، محبت، یگانگی، ہم آہنگی، نیر و اداری کی

دعوت بھی، لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ جس

جمہوریت کا خواب حضرت جگر نے اور دوسرے

لیڈران وطن نے دیکھا تھا وہ خواب شرمندہ تعبیر نہ

ہو سکا کیونکہ جس محبت و الفت اور ترقی و خوشحالی کا

خواب ان حضرات نے دیکھا تھا آنے والے

لیڈران نے اس کے مخالف جہت میں کام کیا، نتیجتاً

امن و آشتی اور محبت و یگانگی کے بجائے نفرت

و عداوت نیز خود غرضی اور بددیانتی کی ایسی ہوا چلی

جس کے اثر سے ہر خاص و عام متاثر ہوا اور جس نے

ہندوستان کی مقدس و مشہور Unity in

Diversity (کثرت میں وحدت) کی تہذیبی

وقار کو زبردست نقصان پہنچایا، شاید حضرت جگر

مراد آبادی کو اس کا احساس تھا کہ قوم کے لیڈران

میں خلوص و دیانت داری نہیں بلکہ ان کے سینوں

میں نفرت و خباثت کا طوفان ہے، اس لیے انھوں

نے کہا تھا کہ ہمارے یہاں ایسے لیڈروں کی کمی نہیں

جو گرچہ وطن پرستی کا عوی کرتے ہیں لیکن دل میں

ہزار دشنہ و فتنہ اور سینوں میں کیڑوں اور خباثوں کا

سمندر لیے پھر رہے ہیں اور شاید اسی لیے ہمارا ملک

سب کچھ ہونے کے بعد بھی ترقی کی سیرگی پر خاطر

خواہ نہیں چڑھ سکا ہے، جگر نے کہا تھا

چہرے جنون حب وطن سے دھویں دھویں

سینے خباثوں کا سمندر لیے ہوئے

دیتے ہیں بات بات پر انسانیت کا درس

دل میں ہزار دشنہ و فتنہ لیے ہوئے

اور یہ حقیقت ہے کہ کسی ملک کی تاریخ میں

ساتھ سال کی مدت ترقی و خوشحالی کے لیے کم نہیں

ہوتی، اس مدت میں ملک کو جو ترقی کرنی چاہئے تھی

وہ انہیں بدخواہ و خود غرض لیڈروں کی وجہ سے نہیں

ہو پائی، ہم یہ نہیں کہتے کہ ملک پسماندگی کی طرف

بڑھ رہا ہے بلکہ ترقی کی دہلیز پر ہے لیکن اسے اب

تک اس دہلیز کو پار کر لینا چاہئے تھا۔

ملک میں (Metro Cities) کا اضافہ

ہو رہا ہے، SEZ بنائے جا رہے ہیں، سڑکوں کی تعمیر

اور تعلیم کی طرف دھیان دیا جا رہا ہے، بجلی کی فراہمی

کی طرف توجہ کی جا رہی ہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ

معاشرہ میں غریب و امیر کی طبقاتی خلیج بڑھتی جا رہی

ہے، آپ شہروں میں پر شکوہ اور فلک بوس عمارتوں

کے زیر سایہ غریب اور مفلوک الحال لوگوں کی ٹوٹی

ہوئی جھونپڑیوں کا نظارہ کر سکتے ہیں، یہ عجیب

وغریب اتفاق تھا کہ اکتوبر ۲۰۰۸ء کو جس دن اسٹاک

۱. لکھنؤ کے Sesex نے ۲۰ ہزار مارکس پار کر لیا

اور کمیشن امبانی کو دنیا کا سب سے زیادہ دولت مند شخص

قرار دیا گیا اسی دن ہندوستان کے مرکزی علاقہ

گوالیار سے تقریباً ۲۵ ہزار لوگ پیدل دہلی یہ احتجاج

کرنے پہنچے کہ ان کے پاس یومیہ ایک وقت

کھانے کا انتظام نہیں، یہ عجیب اتفاق تھا مگر ایک

حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا تھا کہ ہندوستان میں

طبقاتی عدم مساوات کی خلیج وسیع ہوتی جا رہی ہے،

ہندوستان جو کہ ایک نہایت غریب ملک تصور کیا جاتا

ہے اس میں دنیا کے امیر ترین امبانی جیسے لوگ بھی

پائے جاتے ہیں، وہ ۲۵ ہزار احتجاج کرنے والے

لوگ جن سے راجدھانی کی زندگی تقریباً معطل ہو گئی

پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگ معلوم ہوتے تھے

جنھوں نے نہایت مہذب انداز میں احتجاج کیا،

ہردہ شخص جو سننے کے لیے تیار ہوا اسے وہ اپنی کہانی

بتاتے تھے کہ فیکٹری اور بند کی تعمیر کے لیے یا

منرل (Mineral) کی تلاش کے لیے انہیں ان

کی زمینوں سے محروم کر دیا گیا، اب وہ بھکمری کے

دہانہ پر ہیں اور ان کے پاس زندگی گزارنے کا کوئی

خاص سہارا اور ذریعہ نہیں، خوشحال اقلیت اور غریب

و محتاج اکثریت کے درمیان کسی جمہوری ملک میں خلیج

کا اس قدر وسیع ہونے کا تصور ناممکن ہے، بادشاہت

اور ڈکٹیٹر شپ میں اس طرح کے تفاوت کا امکان

ہوتا ہے کیونکہ عوام بادشاہ یا ڈکٹیٹر سے خوف کھاتی

ہے اور حقیقت بیانی سے گریز کرتی ہے مگر جمہوریت

میں اس کا تصور محال ہے، ابھی حال میں

SEZ کو لے کر مغربی بنگال میں اور گوا میں جو کچھ

ہوا اس سے ہم سب واقف ہیں، واضح رہے کہ اس

طرح کے طبقاتی تفاوت سے ملک میں طرح طرح

کی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اس لیے اس کا تدارک

بہت ضروری ہے۔

ہندوستان درحقیقت متضاد تصویروں کا ملک

ہے، یہ مشہور ہے کہ آپ اس کے بارے میں جو بھی

کہیں ٹھیک اس کا الٹا بھی کہنا درست ہوگا مثلاً

ہندوستان ایک نہایت قدیم ملک، شاندار تہذیب

و ثقافت ہے، مگر ایک نوخیز ریپبلک بھی، یہاں

کے IT (انفارمیشن ٹکنالوجی) کے ماہرین فخر و عزت

کے ساتھ ۲۱ ویں صدی میں دفناتے پھر رہے ہیں

جب کہ آبادی کا بیشتر حصہ گذشتہ باقی صدیوں میں

زندگی گزار رہا ہے، ان تناقضات میں گہری حقیقتیں

پنہاں ہیں، آپ دیکھیں کہ ہندوستان کی ۳۰ فیصد

آبادی (تقریباً ۳۰۰ ملین افراد) غیر تعلیم یافتہ ہیں

جب کہ اسی ملک نے دنیا کی دوسری سب سے بڑی

انجینئروں اور سائنسدانوں کی ایسی کھیپ تیار کی ہے

جن کا Silicon Valley (امریکہ کی

کمپیوٹر مصنوعات کی دنیا) پر قبضہ ہے، یہ ملک ایسا

ملک ہے جہاں ایک سابق وزیر اعظم نے پیپسی کولا

پر محض اس لیے تنقید کی کیونکہ ۲۵۰ ملین لوگوں کو ملک

میں پینے کا پانی میسر نہیں، ہندوستان ایک ایسا ملک

ہے جو روئے زمین پر ہر ملک سے زیادہ اچھا کمپیوٹر

سافٹ ویئر تیار کر رہا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ یہ ایسی

جگہ بھی ہے جہاں ملینوں لوگوں کی نقل و حمل کے

لیے تیل گاڑی آج بھی ایک اہم ذریعہ ہے جب کہ

یہاں کی راکٹ اور سلاٹ پروگرام دنیا کا سب

سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، متضاد تصویروں کا سلسلہ

ہنوز جاری ہے، شہروں کی آبادی زبردست طریقہ

سے بڑھ رہی ہے جب کہ تین ہندوستانیوں میں سے

۲ اب بھی زمین سے (یعنی کاشت کے ذریعہ) اپنی

روزی حاصل کرتے ہیں، ہمیں ایک نیوکلیائی طاقت

تسلیم کیا گیا ہے جب کہ ۳۰۰ ملین لوگ بجلی سے محروم

ہیں اور راجدھانی تک میں بجلی کی کٹوتی ہوتی ہے،

ہندوستان کی امن پسند تہذیب نے عدم تشدد کا

شاندار اصول ایجاد کیا لیکن خود یہاں کی آزادی خون

میں نہا کر عالم وجود میں آئی اور اب تک آزادی کی

مقدس قبا کے چیتھڑے خاک و خون سے آلودہ نظر

آتے ہیں، ملک میں مہلک بیماریاں نہایت تیزی

کے ساتھ پھیل رہی ہیں، ہندوستان

میں ۳۳۰۰۰۰۰ لوگ ہر سال کینسر سے مرتے ہیں اور

سات لاکھ- دس لاکھ کے سچے لوگوں کی ہر سال اس

مرض میں مبتلا ہونے کی تشخیص کی جاتی ہے، اس میں

۵۰ فیصد لوگ تمباکو نوشی کی وجہ سے اس مرض میں مبتلا

ہو کر مرتے جاتے ہیں مگر تمباکو نوشی اور تمباکو پروڈکشن پر

تنبیہ کی سے کوئی پابندی نہیں لگائی جاتی، بلکہ اسے

ایسے انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ نوجوان اس کی

طرف مزید کھینچتے ہیں جبکہ اس مرض سے متاثر لوگوں

میں ۶۰ فیصد وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی کی سب سے

اچھی عمر (یعنی ۳۵ سے ۶۵ کے درمیان) میں ہیں،

اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم

Generic (عام/نظمی/بغیر ٹریڈ مارک کی)

دواؤں کے سب سے بڑے صانع ہیں لیکن خود

ہماری آبادی کے تین ملین لوگ AIDS کی اس

سستی دوا سے محروم ہیں، ۲ ملین لوگ T.B. کی دوا

سے محروم ہیں، دسیوں ملین افراد کسی صحت سنٹر تک

رسائی نہیں رکھتے جب کہ ۱۵۰ ملین لوگ اندھے

ہیں، ۲۶۰ ملین لوگ خط افلاس سے نیچے زندگی گزار

رہے ہیں (یعنی ان کی ماہانہ آمدنی ہندوستانی خط

افلاس کے معیار یعنی ۳۶۰ روپے سے کم

ہے) ہمارے پاس ۵۳۰ ملین نوجوانوں کی زبردست

کھیپ موجود ہے جو اگلے چالیس سالوں تک کام

کے لیے کافی ہیں لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ۶۰

سوال و جواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

بیرائیویٹ فنڈ (G.P.F.) میں اور کچھ پبلک پرائیویٹ فنڈ (P.P.F.) میں کٹاتا ہے، اس پر اسے زائد رقم ریٹائرمنٹ کے وقت ملے گی، اور یہ زائد رقم شرح سود سالانہ کی وجہ سے ہے، یہ زائد رقم لینا کیا اسلامی شریعت کے نقطہ نظر سے جائز ہے؟

جواب: وہ فنڈ جو اختیاری نہ ہو یعنی حکومت یا کمپنی ملازم کی مرضی کے بغیر کٹ لیتی ہے اور فنڈ میں جمع کر دیتی ہے جیسا کہ G.P.F. میں ہوتا ہے اس پر جو زائد رقم ریٹائرمنٹ کے وقت ملے گی وہ شرعاً سود نہیں ہے، لیکن وہ فنڈ جو اختیاری ہو جیسا کہ P.P.F. ہے اس میں لوگ اپنے اختیار سے رقم جمع کرتے ہیں، اس پر جو زائد رقم ملے گی وہ شرعاً سود ہے اور حرام ہے، اس کا مصرف صرف ضرورت مند لوگ ہیں، ان پر یہ رقم بلا نیت ثواب صدقہ کر دینا واجب ہے۔

سوال: موجودہ خرید و فروخت کی دنیا میں یہ شکل دیکھ رہی ہے کہ کسی سامان کے لیے ایک متعین مدت پر خریداروں سے قسط وار قیمت جمع کر لی جاتی ہے اور ہر قسط کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے جس کے ادا کرنے کے بعد قرضہ اندازی کی جاتی ہے جس خریدار کا نام نکل آتا ہے اس کو وہ سامان نقد سے دیا جاتا ہے اور اس سے مزید کسی قسط کا مطالبہ نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اس کی ادا کردہ قسط کو کافی سمجھا جاتا ہے، خواہ ایک ہو یا اس سے زائد اور پھر لوگ اپنی اقتلاط جمع کرتے رہتے ہیں، اس طرح ہر مرتبہ کی قرضہ اندازی سے ایک آدمی جس کا نام قرضہ اندازی میں نکلا ہے مال حاصل کر کے معاملہ سے الگ اور باہر ہو جاتا ہے اس معاملہ کے بارے میں شریعت اسلامی کیا کہتی ہے؟

جواب: خریداروں سے قسط جمع کرنا اور ہر قسط پر قرضہ اندازی کے ذریعہ جس کا نام نکل آئے اس کو سامان نقد دینا، ہر تیسری مرتبہ تمام خریداروں سے قسط جمع کر کے قرضہ اندازی کے ذریعہ انعام دینا، اس طرح ہر خریدار کو باری باری سے قرضہ اندازی کے ذریعہ سامان اور جس کا نام قرضہ اندازی میں آجائے اس سے مزید قسطیں نہ جمع کرانا کھلا ہوا قرار ہے جو شرعاً حرام ہے۔

کے والد چاہتے ہیں کہ وہ بھی اس شادی کی تقریب اور دعوت طعام میں شریک ہو، حالانکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اس دعوت میں صرف ہونے والی رقم سودی ہے اور اس کا استعمال ان کے لیے جائز نہیں ہے، کیا ان کے لیے اس دعوت طعام میں شرکت کرنا از روئے شرع جائز ہے؟

جواب: سودی رقم مال حرام ہے، اس کا ضرورت مندوں پر صدقہ کر دینا واجب ہے، یہ رقم جب ضرورت مند غریب شخص کو دیدی گئی تو اس کے حق میں یہ صدقہ قرار پائی اور صدقہ کا حکم یہ ہے کہ واسطہ آجانے سے مال کا حکم بدل جاتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار اپنی خادمہ حضرت بریرہ کے یہاں تشریف لے گئے، وہ گوشت پکا رہی تھیں، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا پیش کیا لیکن اس میں گوشت نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ دریافت کی، انہوں نے عرض کیا کہ یہ گوشت صدقہ کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے صدقہ ہے لیکن جب تم مجھ کو کھلاؤ تو بد یہ ہے (صحیح بخاری بسبب اذاتہ حوالت الصدقہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کردہ اصول کے پیش نظر اگر کسی غریب اور مستحق شخص کو سودی رقم دیدی جائے اور وہ اس سے دعوت کا اہتمام کر کے دوسروں کو کھلائے تو اس کی گنجائش ہے، لہذا مذکورہ صورت میں شخص مذکور کے لیے اس دعوت میں شرکت کرنا اور کھانا درست ہے، لیکن احتیاط یہ ہے کہ رقم دینے والا خود نہ کھائے۔

سوال: زید ایک سرکاری سروس میں ہے، سرکاری قانون کے مطابق وہ اپنی تنخواہ سے کچھ رقم جزیل

سوال: بیئر (Beer) کے بارے میں آج کل مسلمانوں کے درمیان مختلف خیالات پائے جاتے ہیں، بعض لوگ اسے حلال اور درست سمجھتے ہیں اور بعض لوگ اسے شراب سمجھتے ہیں اور حرام قرار دیتے ہیں، عام طور پر لوگ اس بارے میں متذبذب کے شکار ہیں۔ شرعی نقطہ نظر سے آگاہ کریں کہ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: بیئر (Beer) کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ یہ شراب کی ایک قسم ہے، جو لوگ اس سے پوری طرح واقف ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ شراب ہی ہے، بس فرق اتنا ہے کہ بیئر میں عام شراب کے مقابلہ میں الکحل کی مقدار کم ہوتی ہے، اسی لیے جو لوگ نشہ کے عادی نہیں ہوتے ہیں بلکہ کبھی کبھی اسے پی لیتے ہیں تو ان پر نشہ کی کیفیت نسبتاً زیادہ ہوتی ہے، اور جو اس کے عادی ہوتے ہیں ان پر نشہ کی کیفیت کم ہوتی ہے، اس لیے عادی لوگ اس سے زیادہ مقدار میں پیتے ہیں، بہر حال یہ ایک نشہ آور چیز ہے، خواہ کم استعمال کی جائے یا زیادہ، بہر حال میں حرام ہے، حدیث میں آتا ہے "جس شے کی کثیر مقدار نشہ کا باعث ہو اس کی لکھل مقدار بھی حرام ہے" (مسلسلہ کثیرہ فقہیہ حرام) (سنن ابوداؤد، باب ماجاء فی الکسر)، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جو چیز کثیر مقدار میں استعمال کرنے سے نشہ پیدا کر دے تو اس کی معمولی مقدار بھی حرام ہوگی، بیئر (Beer) میں ایسا ہی ہوتا ہے، یہ نشہ آور ہے اس لیے از روئے شرع یہ شراب میں شامل ہے اور اس کا پینا حرام ہے۔

سوال: ایک شخص کی سودی رقم بینک میں پڑی تھی، اس نے ایک غریب لڑکی کی شادی میں یہ رقم دیدی، اب لڑکی

برعکس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سیاسی طور پر قوت ارادی کی کمی اور حکومت کی عدم سنجیدگی اس اہم صورت حال کی ذمہ دار ہے، یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ قیادت و سیاست بذات خود ایک زبردست برنس اور پیشہ بن گیا ہے، الگشن کے وقت یا اپنے حریف کو زیر کرنے کے لیے جنسی عدم مساوات، بچوں کی فلاح و بہبود، پسماندہ طبقات کی خوشحالی، سڑک، بجلی اور پانی کی فراہمی کے مسائل کو تنگنڈوں کے طور پر اٹھایا جاتا ہے اور خلوص کا دور دورہ کہیں نام و نشان نہیں ہوتا اسی لیے یہ مسئلہ ہیں کہ وہیں رہ جاتے ہیں اور اگر کوشش کی بھی جاتی ہے تو محض اپنی آمدنی کے لیے، اور اگر قوت ارادی صحیح طور پر پائی جائے تو ان مسائل کا سنجیدگی سے حل تلاش کیا جاسکتا ہے، ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو رابرٹ فرانسس کی ایک نظم جسکے دو شعر یہ ہیں اپنے سامنے Motto (اصول) کے طور پر رکھتے تھے

But I have promises to keep
And miles to go before I sleep

کہ مجھے ہنوز بہت سے وعدے پورے کرنے ہیں اس لیے مجھے آرام کرنے سے پہلے ابھی میلوں کا سفر طے کرنا ہے، کاش کہ ہمارے موجودہ سیاسی رہنما بھی ملک کی فلاح و ترقی کے لیے اس طرح کے زریں اصول کو اپنالیں۔

اس طرح ہمیں آزادی اور جمہوریہ کی ان تقریبات کے موقع پر خوشی کے اظہار کے ساتھ ساتھ اپنا Introspection (محاسبہ) کرنا چاہئے، اپنی کیوں، کوتاہیوں، معاشرہ میں پھیلی ہوئی بیماریوں اور لعنتوں کا محاسبہ کرنا چاہئے تاکہ ہم نامکمل خواب اور وعدوں کی تکمیل کر کے اپنے سپنوں کا جہاں اور ایک فرد کو نما ہندوستان کی تعمیر کر سکیں۔

☆☆☆☆☆

کر رہے ہوں کیا ہمیں اپنے ملک پر کسی طرح فخر کرنے کا حق ہے؟ یا ہم اس کے فردوں ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟

ان اعداد و شمار اور تقابلی جائزہ سے اس کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں کہ ہم خود آئینہ میں اپنی تصویر کا جائزہ لے کر بہتری اور اصلاح کی کوشش کریں، یہ ایک واقعہ ہے کہ ہم نوزائیدہ بچوں کی اموات کی روک تھام کے سلسلہ میں اریٹریا، اٹھو پیا اور پڑوسی ملک بنگلادیش سے بھی پیچھے ہیں، جبکہ چند نہایت آسان ترکیبوں کو اختیار کر کے بچوں کی شرح اموات میں کمی لائی جاسکتی ہے، مثلاً ٹیکہ کاری Breast Feeding (ماں کا اپنا دودھ، بچے کو پلانا) تغذیہ کی فراہمی وغیرہ، ہندوستان کو اپنی گونا گوں ترقیات اور خصوصاً اقتصادی و معاشی اصلاحات و ترقی کی نمائش کا پورا حق حاصل ہے لیکن عوام جو ملک کا حقیقی سرمایہ ہوتے ہیں ان کی حفاظت قوم کا سب سے اہم فریضہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ غریب اور پسماندہ طبقات کے لیے پالیسیوں، فنڈ، اور نظریات کی کمی نہیں، مرکز کی طرف سے NERGA کے لیے سرو سٹپا اہلیان کے لیے، پنپائی کے لیے بجلی کی فراہمی وغیرہ کے لیے مخصوص بجٹ دیا گیا ہے لیکن اصل مسئلہ نفاذ کا ہے، یہی وہ نقطہ ارتکاز ہے جہاں ہم پوری طرح ناکام ہو جاتے ہیں اور ترقی و فلاح و بہبود کے لیے منظور ہونے والا بجٹ بددیانت لیڈران اور ان کے کارندوں کے مخصوص اکاؤنٹ میں چلا جاتا ہے۔

وزیر اعظم جو کہ خود ایک ماہر Economist (ماہر معاشیات) ہیں اور وہ ہمہ گیر ترقی کے خواہاں ہیں یا اس کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقت کا اس کے

ملین بچے مزدور پورے ملک میں کام کر رہے ہیں، اسی طرح ترقی و ترقی کے سلسلہ بہت طویل ہے۔

عام لوگوں کے لیے ترقی اور اقتصادی خوشحالی کا مطلب یہ ہے کہ انہیں زندگی گزارنے کے اسباب و وسائل کے ساتھ ۲ وقت کی روٹی باسانی میسر ہو، ان کے بچوں کو بہتر مستقبل ملے کیونکہ انسان خود سے زیادہ اپنے بچوں کے لیے فکر مند ہوتا ہے اور ان کے شاندار مستقبل کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے لیکن یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ ہم اس میدان میں بھی کافی پیچھے ہیں، ہمارے ملک میں ایک ملین بچے پیدا آئے ۲۸ دن کے اندر مر جاتے ہیں، اور یہ تعداد پوری دنیا میں اس طرح کے اموات کی ایک تہائی مقدار ہے، اور وہ بچے جو زندہ بچ جاتے ہیں ان میں ۸.۳ ملین کم وزن والے بچے ہوتے ہیں جن کی حالت روز بروز ابتر ہوتی چلی جاتی ہے، ۱۰.۱ ملین بچے پانچ سال کے اندر مر جاتے ہیں، ۳۲ فیصد بچوں کو ٹیکہ نہیں لگایا جاتا، بچوں کی انوسٹاک صورت حال کے لیے جو اسباب بتائے جاتے ہیں ان میں نوزائیدہ بچوں کی اچھی طرح نگہداشت کی کمی، ماں کا خود اپنا دودھ نہ پلانا، اور ماں کے دودھ کا ناکافی ہونا، سوء تغذیہ، قوت مدافعت کی کمی اور منتقل ہونے والی بیماریوں سے متاثر ہونا وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اس سلسلہ میں سب سے خراب صورت حال مدھیہ پردیش، جھارکھنڈ اور بہار کی ہے، اس کے بعد گجرات، اڑیسہ چھتیس گڑھ اتر پردیش اور میگھالیہ کی ہے، بچوں کی اموات کی سب سے اہم وجہ Malnutrition (سوء تغذیہ) ہے، ایسی صورت حال میں جب کہ ہم لاکھوں لاکھ بیمار عدم تغذیہ کے شکار اور بیکٹری سے خستہ حال بچوں کی حالت زار سے منہ موڑ کر سنگین جرم کا ارتکاب

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں سہ روزہ فکری و تربیتی کیمپ

شعبہ دعوت و ارشاد کا پروگرام

ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی ندوی

یوں تو ”شعبہ دعوت و ارشاد“ ابتدا ہی سے ندوۃ العلماء کا جزو لاینک رہا ہے، لیکن اس کا مستقل دفتر، اس میں کارکنان کا تقرر، اس کی ہفتہ واری سرگرمیاں کتابوں کی طباعت و اشاعت، بعض قریات میں مبلغین و مدرسین کا تقرر، اس کے سالانہ تربیتی کیمپوں کا انعقاد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظامت اور مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی کی نظارت ہی میں عمل میں آیا ہے اور حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی نظامت میں ترقی پزیر ہے۔

جنوری ۲۰۰۸ء میں منعقد ہونے والے اس کے تربیتی کیمپ کی پرفیکٹ رپورٹ پیش خدمت ہے: اس سالانہ پروگرام کا مقصد دعاۃ کی تربیت ہے ان دعاۃ کو شعبہ نے مدارس ملحقہ ندوۃ العلماء سے چنا جو پورے ملک میں ۱۷۵ کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن میں برابر اضافہ جاری ہے، چنانچہ سب کو دعوت نامے بھیج دیئے گئے، اور الحمد للہ سخت سردی کے باوجود سارے حضرات بروقت حاضر ہو گئے، الا ماشاء اللہ۔

۲۹ جنوری صبح دس بجے حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم کی صدارت میں جلسہ شروع ہوا جناب قاری آفتاب عالم ندوی خیر آبادی کی تلاوت کے بعد، حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم نے افتتاحی تقریر فرمائی، آپ نے اپنے خطاب میں دعوت کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے اخلاص و اللہیت سے

لیس ہو کر فرق ضلالت سے بچانے کی دعوت دی جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب ندوی مدظلہ مہتمم دارالعلوم نے اسلامی عقائد و اعمال میں ارتیاب پیدا کرنے والی تنظیموں سے ہوشیار رہنے اور دینی امور میں شک و شبہات سے پاک رہنے اور پاک رکھنے کی تلقین اس انداز سے فرمائی کہ مجمع پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور اختتام خطاب پر میری زبان پر کسی کے یہ شعر بے ساختہ جاری ہو گئے۔

خدا کو پا نہیں سکتا خدا کی ذات کا منکر نہ جب تک دل سے نقش نامتائی دور ہو جائے خدا ہے کہ جس کی عظمت و جبروت کے آگے ہر انسان سجدہ کرنے کے لیے مجبور ہو جائے

حضرت مہتمم صاحب کے خطاب کے بعد جناب مولانا محمد ظہیر ندوی نے خدمت خلق کے طریقوں پر روشنی ڈالتے ہوئے متعدد طریقے پیش کیے، جن سے لگ رہا تھا کہ خدمت خلق کے بہت سے ذرائع ہماری نظروں سے اوجھل ہیں آخر میں آپ نے فرمایا کہ ایسے خود کفیل اداروں کا قیام جن میں بہت سے لوگوں کو کام مل جائے یہ بھی خدمت خلق کا بہترین ذریعہ ہے، مولانا خود ”مولانا علی میاں ہاسپٹل“ چلا رہے ہیں اور مخلوق خدا کی خدمت کر رہے ہیں۔ بے شک

ہے یہ بھی عبادت اور ہے جزا ایماں کہ دنیا میں کام آئے انسان کے انساں

مولانا محمد ظہیر صاحب ندوی کے بعد جناب مولانا مفتی عتیق احمد صاحب بستوی کا خطاب ہوا عنوان تھا ”اسلامی معاشرہ میں دارالقضا کی ضرورت“ آپ نے معاشرہ کی اس اہم ترین ضرورت پر سیر حاصل گفتگو فرمائی اور کئی مثالیں پیش فرمائیں جیسے فتح نکاح، مشقود البصر کا حل وغیرہ، فرمایا ان مسائل کا حل تو بغیر قاضی کے ممکن ہی نہیں ہے، آپ نے فرمایا دارالقضاء ہر شہر اور ہر قصبہ میں ہونا چاہئے اور اس میں ہمارے مدارس اچھا رول ادا کر سکتے ہیں۔

مولانا عتیق احمد صاحب بستوی کے بعد جناب ڈاکٹر مسعود الحسن صاحب عثمانی لکچرر ممتاز ڈگری کالج نے ”ہمارے مدارس اور علوم حاضرہ“ عنوان پر اس نشست کا آخری لکچر دیا اور اپنے لکچر میں ان لوگوں کو مسکت جواب دیا جو دینی مدارس سے انجینئرز اور ڈاکٹروں کی کھیپ نکالنے کا مشورہ دیتے نہیں تھکتے، آپ نے فرمایا بے شک ہمارے عالم کو سائنسی ایجادات کی معلومات ہونی چاہئیں، دور جدید کے علاج و معالجہ کی سہولیات کا علم ہونا چاہئے، اسرا کیا ہے؟ الٹراساؤنڈ کیا ہے، دور بینی آپریشن کیا ہے، معالجین نے علاج و معالجہ میں کس حد تک ترقی کی ہے یہ معلومات ضرور ہونی چاہئیں لیکن اگر دینی مدارس میں ڈاکٹر اور انجینئر تیار کئے جانے لگے تو محدث، منسٹر، مورخ اور فقیہ ڈھونڈھے نہیں گے، اس لیے یہ مشورہ صحیح نہیں ہے ہمارا عالم دنیا سے بے خبر نہ رہے، ہمارے مکاتب میں اردو، دینیات، قرآن مجید کے ساتھ ہندی، انگریزی، حساب، سائنس اور سماجی علوم ضرور پڑھائیں جائیں لیکن مسلم انجینئر ڈاکٹر صاحبان بھی ضروریات دین سے واقف ہوں اور اسکولوں اور کالجوں کے مسلم طلباء کے لیے دینیات کی تعلیم کا نظم ہو انہیں ضروریات دین کے علم سے بہرہ ور کیا جائے۔

عصر بعد مندوبین کے تاثرات سنے گئے۔

مغرب بعد کی نشست میں جناب مولانا کفیل احمد ندوی استاد دارالعلوم اور انچارج شعبہ مدارس ملحقہ نے ”اساتذہ مدارس کی ذمہ داریاں“ عنوان پر ایک دقیق

مقالہ پیش فرمایا مقالہ اتنا پسند کیا گیا کہ متعدد مندوبین نے اس کا فوٹو کرایا، آپ نے اساتذہ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے اندر اخلاص پیدا کریں، ایثار کے جذبہ سے اور انسانیت کی نجات و فلاح کے ارادہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کو نمونہ بناتے ہوئے نو نھالان ملت کی تعلیم و تربیت فرمائیں، یہی اساتذہ کی ذمہ داریوں کا خلاصہ ہے۔

مولانا کے مقالہ کے بعد جناب مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی (ذمہ دار دارالمبلغین لکھنؤ) کی عنوان ”التمسک بالکتاب والسنة“ پر پندرہ منٹ تقریر ہوئی، انھوں نے فرمایا کہ صحابہ کرام کی عدالت کے بغیر پھر ان سے رجوع کے بغیر نہ ہم کتاب اللہ سے مستفید ہو سکتے ہیں نہ سنت سے، ہم نے کتاب و سنت مع عملی نمونہ کے صحابہ کرام ہی سے تو پایا ہے، مولانا نے فرمایا جو دینی کام صحابہ کرام کے دور میں رائج ہو گیا اس کا شمار سنت میں ہو گیا، نماز تراویح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے پڑھائی، پھر اس اندیشہ سے چھوڑ دی کہ ایسا نہ ہو امت پر فرض ہو جائے اور امت اس میں کوتاہی کر کے تارک فرض ہو جائے، دور صدیقی میں بھی تراویح جماعت سے نہ ہوئی لوگ الگ الگ پڑھتے رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ۲۰ رکعت تراویح جماعت سے پڑھنے کا نظم فرمادیا، آج امت کی اکثریت ۲۰ رکعت تراویح کو جماعت سے پڑھنا سنت سمجھتی ہے اور اس پر عمل کرتی ہے۔

۳۰ جنوری صبح ۹ بجے مولوی صلاح الدین ندوی کی تلاوت سے جلسہ کا آغاز ہوا، مولانا سید عینائت اللہ صاحب ندوی نے ”عیسائیت کیا ہے؟“ عنوان پر بڑا ہی معلوماتی خطبہ دیا، ابتدائی تاریخ پھر پرنٹسٹن اور کیتولک کی تقسیم، ان کے اختلافات، اقاہم ثلاثہ، پشمہ وغیرہ کا تعارف تفصیل سے کرایا، بوشیری جدوجہد کا جائزہ بڑے اچھے اسلوب میں پیش کیا، مولانا نے

ثابت کیا کہ موجودہ عیسائیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کردہ نہیں ہے بلکہ یہ تو پولس کی ایجاد ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ہوتی اگر عیسائیت محفوظ تو منسوخ ہے لیکن محرف ہو کے وہ خود ہی ہوئی متروک ہے مولانا کے بیان کے بعد جناب پروفیسر انیس چشتی صاحب نے ”پیام انسانیت کیوں اور کیسے؟“ عنوان پر تقریر فرمائی اور پیام انسانیت پر کام کرنے اور اس کے جلسوں کا انعقاد کرنے کا مخصوص طریقہ پیش کیا اور فرمایا کہ اس طور پر کام کرنے میں ہمیں بہت سے شہروں میں کامیابی ملی ہے اور مثبت نتائج نکلے ہیں، انھوں نے اس موقع پر بانی تحریک پیام انسانیت حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی متعدد ہدایات و نصائح کا ذکر کیا، کچھ لوگوں نے پروفیسر صاحب کی تقریر پر کچھ سوالات بھی کئے پروفیسر صاحب نے ان کے جوابات دیئے۔

اس کے بعد جناب مولانا نذرا حفیظ صاحب ندوی ازہری نے ”اسلام کے خلاف میڈیا کے کردار“ عنوان پر بہت ہی مرتب و مکمل محاضرہ دیا، آپ نے اپنے محاضرہ میں میڈیا کا مکمل تجزیہ کیا، اس کی افادیت و مضرت دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالی، آپ کا بیان سن کر کسی کا منظم قول سچ ہی لگا۔

رائی کو پر بت کہے پر بت کو رائی جو کہے غفلت و جان لو وہ میڈیا کا غول ہے ہے کوئی ایجنٹ دنیا میں اگر شیطان کا تفرقہ کو جو کہے بے شک یہ سب جوں ہے اس کے بعد جناب مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب (استاد جامعہ عربیہ تصور ابانہ) نے ”دعوت الی اللہ میں حکمت“ عنوان پر ایک جامع مقالہ پیش کیا، جو ذور اول کے دعوتی بیانات، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے مزین تھا، دعوتی کام کرنے والوں کے لیے یہ

مغرب بعد کی نشست میں جناب مولانا محمد خالد غازی پوری نے ”فتنہ قادیانیت اور علماء امت“ عنوان پر خطاب فرمایا۔ آپ نے قادیانیوں کی کتابوں کے حوالوں کے ساتھ مرزا کے دعویٰ باطلہ، محدث، مجدد،

مقالہ قابل مطالعہ ہے، جس میں دعوت الی اللہ میں حکمت و موعظت اور تفسیر و تدریج کی اہمیت و ضرورت پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

بے شک۔ کام دعوت کا کرے دائمی وہی جو ہے حکیم پہلے دیکھے پھر کرے ہے کام یہ بے شک عظیم اس نشست کے آخر میں جناب مولانا عبید اللہ حسنی صاحب ندوی (استاد حدیث دارالعلوم) نے ”انسانیت پر اسلامی اخلاق کا اثر“ از دل خیزد برون ریزد (دل سے نکلی ہوئی بات دلوں میں اتر جاتی ہے) والی موثر تقریر فرمائی، مولانا نے اسلامی اخلاق کی روح کشید کر سامعین کے سامنے رکھ دی، اب اس سے فائدہ حاصل کرنا ہمارے ارادہ اور توفیق الہی پر موقوف ہے، اللہ تعالیٰ مولانا سے تدریسی خدمات کے ساتھ ارشاد و تربیت کا کام بھی لے رہا ہے، جس وقت آپ نے اخلاق و اندو اخلاق نادر کا واقعہ سنایا تو ایسا لگ رہا تھا کہ مجمع اپنے احتساب کی جانب متوجہ ہے تبھی تو کسی نے کہا ہے

تکوار سے جھلکا ہے دشمنی دوستی کرتا نہیں اخلاق کی تاثیر سے کرتا ہے گہری دوستی اسلام کے اخلاق کی تم کو اگر ہے جستجو دیکھ لو قرآن میں لکھا ہے ارفع بالقی

ادفع بالسی ہی احسن فاذا الذی بینک و بینہ عدلوة کفانہ ولی حمیم (۳۴:۴۱) آپ (برائی) کو بھلائی سے نال دیا کیجئے پھر یکا یک جس میں اور آپ میں دشمنی تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی ولی (دوست)

مغرب بعد کی نشست میں جناب مولانا محمد خالد غازی پوری نے ”فتنہ قادیانیت اور علماء امت“ عنوان پر خطاب فرمایا۔ آپ نے قادیانیوں کی کتابوں کے حوالوں کے ساتھ مرزا کے دعویٰ باطلہ، محدث، مجدد،

صبح سویرے مہدی معبود علی و ہر روزی نبی کا تجزیہ فرمایا، آپ نے ثابت کیا کہ مرزا نے شریعت محمدیہ (علی صاحبنا بالصلاۃ والسلام) میں شیطان کے الہام کیے ہوئے اپنے احکام داخل کئے پھر معاذ اللہ اپنے کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اکمل بتایا، مولانا نے فرمایا کہ مرزا ان باطل بکواسوں کے سبب اسلام سے خارج ہے، لعین ہے مردود ہے، جسے تو کسی نے کہا ہے۔

میری نگاہ میں تو وہ انسان بھی نہ تھا مریم بنا، حامل ہوا، خود ہی کو جب جنا ۳۱ جنوری کی صبح کو "عالمی رابطہ ادب اسلامی" کے ایک ادبی مسابقہ کے انعامات کی تقسیم کا جلسہ تھا، جس کی صدارت عالمی رابطہ ادب اسلامی ہند کے صدر و ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رفیع حسنی ندوی نے فرمائی اور نظامت جناب مولانا نذیر حفیظ صاحب ندوی ازہری نے فرمائی، اس جلسہ میں شعبہ دعوت و ارشاد کے مہمانان بھی شریک رہے، تقسیم انعامات کے بعد جناب ڈاکٹر تابش مہدی صاحب نے "حدیث و سیرت اور قرآن" عنوان پر ایک مقالہ پڑھا، دوسرا مقالہ جناب پروفیسر انیس چشتی صاحب نے پیش فرمایا جس کا عنوان تھا "غیر مسلموں کی سیرت نگاری" اس کے بعد دو کتابوں کا اجراء ہوا ان میں سے ایک کتاب "قاموس المفردات" از عبد الحمید اطہری ندوی تھی، دوسری "لغت العربیہ" از عبدالمقیت قاضی ندوی تھی اس کے بعد جناب تابش صاحب نے ایک نعت پیش فرمائی جب انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

ہم کو تو بس حکم نبی پر جان چھوڑ کرنی ہے جان کی قیمت ہم کیا جانیں، ہم تو حکم کے بندے ہیں تو مجمع مرغ نسل ہو رہا تھا۔

آخر میں صدر محترم کا صدارتی خطاب ہوا جس میں آپ نے رابطہ کی خدمات کا تعارف کرایا۔

رابطہ کا پروگرام ۱۱:۳۰ بجے ختم ہو گیا پھر ظہر کی

اذان تک ہمارے مندوبین نے اپنے تاثرات بیان فرمائے۔

مغرب بعد کی نشست میں جناب مولانا سلمان اسیٹی ندوی کا خطاب "یہودی سازشیں اور ہماری ذمہ داریاں" عنوان پر ہوا، مولانا کا یہ خطاب سننے کے لیے دارالعلوم کے طلبہ اٹھ پڑے، ہال کے اندر کئی سولہ گھنٹے تھے، جن کے لیے نہ تو کرسیوں کا انتظام تھا نہ ہو سکتا تھا، طلبہ کی ایک تعداد اندر جگہ نہ پا کر مڑی گھن اور شخصوں میں باہر کھڑی تھی، مجمع کے سبب اندیشہ ہو رہا تھا کہ بد نظمی نہ پیدا ہو جائے لیکن اللہ کا کرم ہوا مولانا کی تقریر شروع ہوتے ہی پن ڈراپ سالٹسی کا عالم ہو گیا، کوئی اپنی نشست میں پہلو بھی نہیں بدل رہا تھا، مولانا نے دوران خطاب فرمایا کہ یہودی الہی نے اپنے مکر و فریب سے وہ مقام بنالیا ہے کہ گویا روس اس کی مطلق ہے اور امریکا اس کی داشت، مولانا نے یہودی سازشوں کا ایسا خوفناک نقشہ کھینچا کہ ایسا لگا کہ اب دنیا کا کوئی چپہ اس کی گرفت سے باہر نہیں ہے اور اب کسی کی خیر نہیں ہے، لیکن آخر میں مولانا نے ڈھارس دلائی اور فرمایا "مکرو و مکر اللہ" انہوں نے مکر کیا، سازشیں کیں تو اللہ نے بھی ان کی گرفت کا سامان کر رکھا ہے، "ان کید الشیطان کان ضعیفا" بے شک شیطانی چالیں پھر ہوتی ہیں، "ان نصبروا و تقوا لا یضرکم کیدہم شیئا" اگر تم حق پر رہو گے اور زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کے احکام کا لحاظ کرتے رہو گے تو ان کی چالیں تم کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی، آخر میں آپ کی دعا پر اس سر روزہ فکری و تربیتی کیمپ کا اختتام ہوا۔

اس تربیتی کیمپ کے آخری روز کے جلسہ میں درج ذیل تجاویز پاس ہوئیں:

۱۔ چونکہ ساری دنیا کے علمائے اسلام اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے قادیانیت کو خارج از اسلام قرار دیا ہے، لہذا یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے

۲۔ یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص مرکزی دارالقضاء سے رابطہ قائم کر کے اپنے مدرسہ میں دارالقضاء کے قیام کی کوشش کرے گا۔

۳۔ یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے حلقہ میں جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اسے قادیانی یا مسیحی متاثر کر رہے ہیں اس سے رابطہ قائم کر کے ہمدردی اور دلی تعلق کے ساتھ اس کو سمجھانے کی کوشش کرے گا۔

۴۔ یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے مدرسہ کے باصلاحیت اساتذہ کے ذریعہ اپنے حلقہ کی مساجد میں درس قرآن کے نظم کی کوشش کرے گا۔

۵۔ یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے قرب و جوار کے غریب مسلمان بچوں کا جائزہ لے کر ان کی دینی تعلیم و تربیت کی فکر کرے گا، اور ایسے نادار بھائیوں پر حتی الامکان توجہ دے گا جن کی غربت کے سبب قادیانی یا مسیحی ان کو اپنا شکار بنا رہے ہیں۔

۶۔ یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے حلقہ میں عیسائی مشنریز کی سرگرمیوں پر نظر رکھے گا اور ان کے ذریعہ جس مسلمان کو غلط فہمی میں مبتلا کیا جائے اس سے رابطہ قائم کر کے اس کی غلط فہمیاں دور کرے گا۔

۷۔ یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے حلقہ میں امن پسند ہندو حضرات سے مل کر ان کو مانوتا کا سندیش پہنچائے گا اور ملک میں امن و امان قائم رکھنے کی دعوت دے گا۔

۸۔ یہ جلسہ ندوۃ العلماء سے متعلق مدارس کے ذمہ داروں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنے ادارہ میں ادیان باطلہ کے رد میں حصہ لینے والے مدرسین کو بولتھیں مہیا فرمائیں۔

حلقہ کے ائمہ مساجد سے تعلق پیدا کر کے ان کے ذریعہ مناسب و مہذب الفاظ میں علماء کے اس فیصلہ کے اعلان کا اہتمام کرے گا۔

۲۔ یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص مرکزی دارالقضاء سے رابطہ قائم کر کے اپنے مدرسہ میں دارالقضاء کے قیام کی کوشش کرے گا۔

۳۔ یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے حلقہ میں جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اسے قادیانی یا مسیحی متاثر کر رہے ہیں اس سے رابطہ قائم کر کے ہمدردی اور دلی تعلق کے ساتھ اس کو سمجھانے کی کوشش کرے گا۔

۴۔ یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے مدرسہ کے باصلاحیت اساتذہ کے ذریعہ اپنے حلقہ کی مساجد میں درس قرآن کے نظم کی کوشش کرے گا۔

۵۔ یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے قرب و جوار کے غریب مسلمان بچوں کا جائزہ لے کر ان کی دینی تعلیم و تربیت کی فکر کرے گا، اور ایسے نادار بھائیوں پر حتی الامکان توجہ دے گا جن کی غربت کے سبب قادیانی یا مسیحی ان کو اپنا شکار بنا رہے ہیں۔

۶۔ یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے حلقہ میں عیسائی مشنریز کی سرگرمیوں پر نظر رکھے گا اور ان کے ذریعہ جس مسلمان کو غلط فہمی میں مبتلا کیا جائے اس سے رابطہ قائم کر کے اس کی غلط فہمیاں دور کرے گا۔

۷۔ یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے حلقہ میں امن پسند ہندو حضرات سے مل کر ان کو مانوتا کا سندیش پہنچائے گا اور ملک میں امن و امان قائم رکھنے کی دعوت دے گا۔

۸۔ یہ جلسہ ندوۃ العلماء سے متعلق مدارس کے ذمہ داروں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنے ادارہ میں ادیان باطلہ کے رد میں حصہ لینے والے مدرسین کو بولتھیں مہیا فرمائیں۔

۹۔ چونکہ ساری دنیا کے علمائے اسلام اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے قادیانیت کو خارج از اسلام قرار دیا ہے، لہذا یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے

۱۰۔ چونکہ ساری دنیا کے علمائے اسلام اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے قادیانیت کو خارج از اسلام قرار دیا ہے، لہذا یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے

۱۱۔ چونکہ ساری دنیا کے علمائے اسلام اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے قادیانیت کو خارج از اسلام قرار دیا ہے، لہذا یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے

وہ عالم باعمل تھے

مفتی محمد طارق ندوی مرحوم پر ایک تاثراتی تحریر

محمد ظفر عالم ندوی

مولانا طارق صاحب ندوی سے کون واقف نہیں، پندرہ روزہ تعمیر حیات کے قارئین تو ان سے بخوبی واقف تھے اور ان کے فقہی سوال و جواب کے کالم سے خوب خوب فائدہ اٹھاتے تھے، میں بھی پہلے اسی کالم کی وجہ سے ان کو جانتا تھا، لیکن ۱۹۹۲ء میں جب المعهد العالی للتحقیق والافتاء کے وہ رکن اور شعبہ دارالافتاء میں معاون مفتی مقرر ہوئے، اس وقت سے تاحیات ان کے ساتھ افتاء کا کام کرنے اور ایک ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے ہم لوگ ان سے پوری طرح واقف ہی نہیں بلکہ ایک خاندان کے افراد کی طرح وہ ہم سے اور ہم لوگ ان سے گھلے ملے رہتے تھے، اس طرح ان کی پوری زندگی ہم لوگوں کے سامنے عیاں تھی، اس لیے ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک عالم باعمل تھے، وہ اہل علم بھی تھے اور صاحب تقویٰ بھی، ان کی زندگی آئینہ کی طرح صاف شفاف تھی، ان کا ہر عمل بتاتا تھا کہ ان کا دل صاف، ان کے ہر کام سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بڑے سادہ مزاج، ان کے ہر رویہ سے محسوس ہوتا تھا کہ ان کی فطرت نیک اور طبیعت پاکیزہ تھی، ان کی ہر بات سے یہ عکاسی ہوتی کہ ان کا ذہن و دماغ کھلا اور وسیع تھا، جس میں نہ کوئی پیچیدگی تھی اور نہ تنگی، وہ ملنسار بھی تھے اور خوش مزاج بھی، جن سے بھی ملنے مسکراتے ملتے، ان کی ہر ملاقات سے غلوں و محبت چھٹی تھی، وہ بڑے نیکسار بھی تھے اور انسانیت نواز بھی، وہ کسی کے چہرے پر غم کے آثار دیکھتے تو فوراً حال دریافت کرتے اور اس کے دور کرنے کی کوشش ہی نہیں بھرپور کوشش کرتے، وہ کسی کے لیے کسی بھی کام کے لیے ہمہ دم تیار رہتے ہیں، لفظ انکار اور نفی ان کی ڈکشنری

میں تھا ہی نہیں، جس نے بھی جس کام کے لیے کہا یا جس طرح کا مطالعہ کیا فوراً ہاں میں جواب دیتے، ناوہ جانتے ہی نہیں تھے، زین العابدین کا مقولہ لا لاشہد لکان لاؤہ نعم" بلاشبہ مولانا طارق پر پوری طرح صادق آتا ہے، مسجد کے ائمہ ہوں یا مدرسہ کے فضلاء جس نے بھی کسی جگہ یا کام کے لیے کہا مرحوم نے فوراً لبیک کہا اور ان کی جگہ کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے رہے، اگر کسی نے ان کی کوئی بات مان لی یا کوئی سفارش سن لی تو وہ اس قدر شکر یہ ادا کرتے کہ سامنے والا شرماتا۔

مولانا طارق ندوی کا جو علم تھا وہی ان کا عمل تھا، ان کی زبان وہی تھی جو ان کا کام تھا، بیان وہی کرتے تھے جس پر وہ عمل پیرا ہوتے، وعظ و نصیحت اتنی ہی کرتے جتنے پر وہ خود چلتے، دعوت اسی چیز کی دیتے جو ان کی زندگی میں پائی جاتی تھی۔

الفق و محبت کی فرضی کہانیاں تو ہم خوب سنتے ہیں لیکن اس کی سچی تصویر مولانا مرحوم کی ذات کو ان کے دوستوں اور احباب کے سچ دیکھنے، سخاوت و فیاضی کے واقعات ہم شاہوں کی تاریخ میں یقیناً پڑھتے ہیں لیکن مولانا مرحوم کی سخاوت و فیاضی یورپائینوں کی زبانوں سے سننے، ہم تو احباب ہی تھے ہم لوگوں کے سامنے ہر ملاقات میں فیاضی کا مظاہرہ ہوتا ہی رہتا، ندوہ کا ہر شعبہ، شہر کے ہر طبقہ کے افراد خوب جانتے ہیں کہ مولانا طارق جہاں پہنچ گئے، پہنچتے ہی اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے اور فوراً آچائے و ناشتہ منگواتے، یہ کسی کسی دن کا واقعہ نہیں بلکہ ہر دن کا معمول ہوا کرتا تھا، جب انعامی مقابلے مساجد کے ائمہ اور مدارس کے طلبہ کے

درمیان کراتے تو اپنی جیب خاص سے ان کو انعامات سے خوب نوازتے تھے، غرض کہ جس مجلس میں جائے وہاں یہی سماں دیکھتے رہتے۔

پندرہ نصاب کی کتابوں میں ہم بڑوں کے ادب و احترام کی تاکیدیں پڑھتے ہیں لیکن ہم یہ ادب و احترام کسی کو کرتے دیکھا تو مولانا طارق کو دیکھا، یہی وجہ ہے کہ ہمارے بڑے ان کی بے حد قدر اور کسی درخواست پر ان کی سفارشوں کو بے دریغ قبول فرماتے۔

آج کی اس خود غرض دنیا میں لفظ و فاداری ایک بدنام سا لفظ ہو کر رہ گیا ہے لیکن مولانا مرحوم کے یہاں یہ لفظ بچے پیرہن میں موجود تھا، اس حقیقت سے ان کے وہی احباب واقف ہیں جن سے انہوں نے کوئی وعدہ کر لیا تھا، آج کل ہمارے مسلم معاشرہ کا شکوہ ہے کہ علماء عوام سے رابطہ و تعلق نہیں رکھتے، لیکن مولانا مرحوم سے جو واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کا علماء و مشائخ سے بھی تعلق تھا اور عوام و مانج سے بھی، وہ درس و تدریس کا بھی عمل کرتے اور ایسا کہ طلبہ کی بھی ان کے ارد گرد و کچھ کر ہم جیسوں کو ان پر رشک آنے لگتا، اور دعوت و تبلیغ کا بھی فریضہ انجام دیتے اور اس طرح کہ عقیدت مندوں کی ٹولی ان پر ٹوٹ پڑتی، یہ نظارے ہمیں مشائخ کے یہاں تو ملتے ہیں لیکن ایک مدرس اور کتنام عالم کے یہاں نہیں، یہ خوش نصیبی مولانا مرحوم ہی کو حاصل تھی۔

آپ مسجدوں میں دعوت الی اللہ کا کام کرتے اور محلوں اور شادی خانوں میں بھی، مکاتب بھی قائم کرتے اور تعلیم بالغان کا بھی پروگرام چلاتے، آپ جلسوں میں بھی تقریریں کرتے اور عصری تعلیم یافتہ کی مجلسوں میں بھی اپنی باتیں رکھتے، مساجد میں درس قرآن کا بھی اہتمام کرتے اور معاشرہ کی اصلاح میں بھی تنگ دوہ کرتے، کبھی پڑھے لکھے طبقہ کے لیے قرآن کی تفسیریں چھوٹے چھوٹے کتابچوں میں شائع کرتے اور کبھی عوام کے لیے آداب مسجد کا اشتہار آویزاں کرتے، کبھی ائمہ مساجد کی تربیت کرتے نظر آتے تو کبھی طلبہ کی تحریری و تقریری صلاحیتوں کو ابھارنے میں لگے رہتے، غرض وہ ہر وقت دین کی اشاعت، سنت نبوی کی تبلیغ، معاشرہ کی اصلاح، طلبہ مدارس کی تربیت اور انسانیت کی فلاح

تعمیر حیات۔ ۱۰ فروری ۲۰۰۸ء

تعمیر حیات۔ ۱۰ فروری ۲۰۰۸ء

و بہبود میں سرگرم رہتے، حقیقت ہے کہ وہ ایک سارہ تھے جو رضائے الہی کے گرد پیکر کا نثار بتا ہے۔
یہ سرگرمیاں وقتی نہیں ہوتیں بلکہ ان میں مداومت تھی، خواہ فقہی سوال و جواب کی ترتیب کا کام ہو یا تعلیم ائمہ مساجد کے زیر اہتمام ائمہ کرام کی تربیت کا فریضہ، ہر کام میں مداومت رہتی، کسی بھی لمحہ وہ اپنے کاموں سے بے فکر نہیں ہوتے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک طویل عرصہ سے فقہی سوال و جواب کی ترتیب اور دارالافتاء میں استفاءات کے جوابات لکھنے کی وجہ سے فقہی جزئیات پر ان کی اچھی نظر تھی، بالخصوص عبادات کے ابواب پر ان کو کافی دسترس حاصل تھی، ان سب کے باوجود وہ کسی بھی جواب کو اپنے بڑوں کی تصدیق و تائید کے بغیر نہ بھیجے اور نہ شائع کرتے، استفاءات کے جوابات پر صیح و تصویب کے دستخط حضرت مفتی تلموہ صاحب مدظلہ یا مولانا ناصر علی ندوی مرحوم کے ہوتے ہی تھے، تعمیر حیات میں شائع ہونے والے فقہی کالم بھی ان دونوں بزرگوں کی تائید و توثیق کے بغیر شائع نہ کرتے۔

ان تمام چیزوں میں میں نے جو چیز نمایاں دیکھی وہ ان کی تواضع و خاکساری، ہمدوم طالب علمانہ جذبہ، عند اللہ مقبولیت کا خیال، ہر عمل اور ہر پروگرام میں شہدے کی تائید و توثیق کے بغیر شائع نہ کرتے۔
ان تمام چیزوں میں میں نے جو چیز نمایاں دیکھی وہ ان کی تواضع و خاکساری، ہمدوم طالب علمانہ جذبہ، عند اللہ مقبولیت کا خیال، ہر عمل اور ہر پروگرام میں شہدے کی تائید و توثیق کے بغیر شائع نہ کرتے۔
ان تمام چیزوں میں میں نے جو چیز نمایاں دیکھی وہ ان کی تواضع و خاکساری، ہمدوم طالب علمانہ جذبہ، عند اللہ مقبولیت کا خیال، ہر عمل اور ہر پروگرام میں شہدے کی تائید و توثیق کے بغیر شائع نہ کرتے۔

☆☆☆☆☆

ندوة العلماء میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی اور

حضرت مولانا شاہ فیض الحسنی (پاکستان) کے سانحہ ارتحال پر تعزیتی جلسہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوة العلماء کی صدارت میں معروف عالم دین، بلند پایہ ادیب و محقق، بالغ نظر فکرمند اور دارالمصنفین کے ڈائریکٹر مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے انتقال پر بتاریخ ۱۵ فروری ۲۰۰۸ء کو ندوة العلماء میں ایک تعزیتی نشست ہوئی، جس کا آغاز جناب مولانا محمد خالد ندوی خانہ پوری استاد دارالعلوم ندوة العلماء کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، ناظم ندوة العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے مولانا مرحوم کے انتقال پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے انتقال سے بحث و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے میدان میں بڑا خلا پیدا ہوا ہے، برصغیر ہندوپاک میں مولانا مرحوم کی تحریروں کا بڑا وزن محسوس کیا جاتا تھا مرحوم کے ندوة العلماء اور اس کے ذمہ داروں سے دیرینہ تعلقات تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرجی اور خالصانہ تعلق تھا، ناظم ندوة العلماء نے مولانا مرحوم کی خوبیوں اور صفات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ مرحوم بڑے متواضع، نیک طبیعت اور شریف النفس تھے، قرآنیات سے بڑا شغف تھا، ندوة العلماء کی مجلس انتظامی اور مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ کے رکن تھے اور اس کے سالانہ جلسوں میں پابندی سے حاضر ہوتے تھے۔
دارالعلوم ندوة العلماء کے بہتم اور رسالہ "البعث الاسلامی" کے ایڈیٹر حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی نے مولانا ضیاء الدین اصلاحی کی علمی و ادبی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں خراج عقیدت پیش کیا اور ان کی وفات کو ایک بڑی ملی خسارہ قرار دیا، ڈاکٹر اعظمی نے مولانا مرحوم کا ندوة العلماء اور اس کے منتظمین سے تعلق کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا: دارالمصنفین نے مولانا مرحوم کے دور نظامت میں بڑی ترقی کی اور معارف کے علمی معیار کو باقی رکھا، ان کے انتقال سے علمی خلا پیدا ہوا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمتوں سے نوازا کرے۔

جناب پروفیسر وحسی احمد صدیقی صاحب معتد مال ندوة العلماء نے مولانا ضیاء الدین اصلاحی کی وفات پر اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مولانا مرحوم ایک درویش صفت انسان تھے، انکساری، تواضع، سادگی اور متانت ان کی پہچان تھی۔
جناب مولانا مسلمان حسنی ندوی وکیل کا یہ الشریعہ و اصول الدین دارالعلوم ندوة العلماء نے مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے انتقال پر اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مولانا مرحوم دین و ادب اور علم کے سرگرم خادم تھے اور اپنی خوبیوں کی وجہ سے ہر دلچسپ تعزیتی نشست میں جناب مولانا نذیر حفیظ ندوی صدر شعبہ عربی دارالعلوم ندوة العلماء نے مرحوم کی زندگی پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ وہ ہمہ وقت مطالعہ میں منہمک رہا کرتے تھے، قرآنیات پر مرحوم کی بڑی نظر تھی اور مولانا حمید الدین فراہی کے مسودات سے فائدہ اٹھایا، اخیر تک تصنیف و تالیف اور بحث و تحقیق ان کا مشغلہ رہا۔
اس تعزیتی نشست کو جناب ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل نے بھی خطاب کیا اور ہندوپاک میں مرحوم کی تحریروں کی مقبولیت پر روشنی ڈالی۔

اس موقع پر حضرت مولانا شاہ فیض الحسنی (پاکستان) جو ۱۵ فروری ۲۰۰۸ء کو اپنے رب سے جا ملے، کو بھی یاد کیا گیا، مولانا مرحوم عالم ربانی حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، شاہ صاحب سید احمد بن عرفان شہید کے بڑے عاشق تھے اور سید احمد شہید کی تحریروں اور خطوط کو بڑے اہتمام اور وسع پیمانے پر شائع کر رہے تھے، فن خطاطی میں بڑے ماہر تھے اس فن میں کئی ایوارڈ ملے، مرحوم پاکستان میں دعوت اسلامی اور صحیح فکر و عقیدہ کے مبلغ تھے، اللہ تعالیٰ ان کو فریق رحمت کرے۔
مولانا سید سلمان حسنی ندوی نے تعزیتی جلسہ میں فرمایا: حضرت شاہ صاحب فیض الحسنی الطبع تھے، مزاج میں مشفق و محبت کا منظر غالب تھا، حضرت سید احمد شہید کی تحریک سے غایت درجہ محبت تھی، اور اس کی افادیت پر پورا یقین تھا، جسے الفاظ و عبارت کا جامہ پہنانا ممکن نہیں، استعمال و توازن ان کا خاصہ تھا، صحابہ کرام اور اہل بیت اور ان کے شجرہ نسب کو پڑھنے اور اسے شائع کرنے کا جذبہ ان کی طرح کارفرما تھا، اس کو ہر کام پر ترجیح دیتے تھے۔

اس جلسہ میں جناب مولانا محبوب الرحمن ازہری، جناب مولانا محمد رابع رشید حسنی ندوی معتد تعلیم ندوة العلماء، جناب مولانا مفتی محمد ظہور ندوی نائب بہتم دارالعلوم، جناب مولانا شمس الحق ندوی، جناب مولانا مفتی شفیق احمد بستی، جناب مولانا ابراہیم رودلو ندوی وکیل کھپے المذبح العربیہ و آداب دارالعلوم ندوة العلماء، جناب مولانا علاء الدین ندوی، جناب مولانا اقبال احمد ندوی خانہ پوری، جناب مولانا فیضان گمرانی ندوی، جناب محمد ہارون ندوی انجمن دارالعلوم ندوة العلماء، جناب مولوی محمد فرمان نیپالی ندوی اور دیگر حضرات شریک ہوئے، جلسہ کا اختتام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوة العلماء کی دعا پر ہوا۔

(رپورٹ: محمد وحید حسنی)

تعارف و تبصرہ

رسید کتب

..... م. ح. ح.

۱۔ منتخب ابواب (۲-۱)

از: مولانا محمد یونس صاحب پالن پوری مدظلہ
کل صفحات: ۱۲۳۰
ناشر: الامین کتابستان دیوبند، سہارن پور
قیمت: درج نہیں

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانی جماعت تبلیغ کے ایماء پر حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ شریف (اول و دوم) کے آٹھ ابواب (کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب فضائل القرآن، کتاب الدعوات، کتاب الجہاد، کتاب الآداب، کتاب الرقاق، اور کتاب الفتن) کا انتخاب کر کے "الابواب المنتخبہ من مشکوٰۃ المصابیح" کے نام سے یہ مجموعہ مرتب کیا جسے محترمی جناب مولانا محمد یونس صاحب پالن پوری مدظلہ نے اردو قالب میں ڈھال کر اردو داں طبقہ کے لیے استفادہ کی راہیں کھولیں، فحزناہ اللہ تعالیٰ عننا وعن جمیع المسلمین خیراً۔

ترجمہ سلیس، عام فہم، رواں اور طاقتور ہے، دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ حدیث مولانا محمد امین صاحب پالن پوری اور مولانا مفتی سعید احمد صاحب محدث پالن پوری نے اس پر نظر ڈالی ہے، یہ ایک اہم اور مفید کام تھا جو مبارک ہاتھوں سے انجام پایا ہے، اس کی جتنی اشاعت ہو سکے ہونی چاہئے، یہ صرف دعوت و تبلیغ کے حلقوں کے لیے ہی نہیں ہے، سبھی مسلمانوں کے لیے ہے، یہ مفید ترجمہ سامنے آیا

جو انشاء اللہ مقبول عام ہوگا، اس کا عربی ایڈیشن یعنی الابواب المنتخبہ مولانا محمد الیاس صاحب بارہ بنگلوی (استاد حدیث مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین نجی دہلی) کی تحقیق کے ساتھ منظر عام پر آیا تھا، جو بڑا مقبول عام ہوا، یہی توقع اس اردو ایڈیشن کے لیے بھی ہے اور دعا بھی۔

☆☆☆

۲۔ مومن کا ہتھیار

ناشر: مکتبہ ابن کثیر، گولڈنچ، ناگپاڑہ ممبئی
یہ کتاب مختصر، جامع، مجموعہ ادعیہ و عملیات ہے، جسے ہر ایک معمول میں لاسکتا ہے، ایک صاحب نسبت شیخ کی مرتب کردہ ہے جس سے اس کا اعتبار اور بڑھ جاتا ہے، قیمت درج نہیں ہے۔

☆☆☆

۳۔ ندائے شاہی کا فائدے ملت نمبر

مرتبہ: مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری
شائع کردہ: جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد
صفحات: ۷۸۸، قیمت: ۳۰۰ روپے

جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی حیثیت سے معروف دینی و ملی شخصیت حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی سیاست ملی، دعوت دین، تربیت مریدین سے عبارت رہی جس میں انہوں نے مجاہدانہ عزم و جوش سے کام لیا اور اپنے اخلاف کی ایک ٹیم تیار کر کے دنیا سے رخت سفر باندھا، ان کے عقیدت مندوں، رفقاء، کار، افراد

خاندان اور بعض مسترشدین و تلامذہ کے قلم سے جو مضامین سامنے آئے وہ اچھا خراج ہے، مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری معروف عالم دین ہیں اور حضرت مرحوم کے خالص معتقد علیہ بھی رہے ہیں، ان کی یہ پیش کش الائق تحسین ہے، اس طرح ایک مہم کی تابناک تاریخ جامع دستاویز کی شکل میں سامنے ہے، اس میں اخبارات کے تراشے، سرکردہ شخصیات کے تاثرات بھی ہیں اور حصہ تنظیم اپنی جگہ مضامین موثر ہیں اور مشاہدات پر مبنی۔

☆☆☆

۴۔ بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت (پیدائش تا شادی)

از: حاجی افضل احمد صدیقی علی گڑھی
ملنے کا پتہ: رائل اپارٹمنٹ (۱) فلور (۳) منزل منزل علی گڑھ۔

صفحات: ۱۳۲، قیمت: ۱۱۰ روپے، بچوں کی اسلامی نشوونما کے لیے ترتیب دی گئی یہ کتاب سلیقہ سے اور اچھے اسلوب میں پیش کی گئی ہے، نام رکھے جانے سے لے کر بلکہ پیدائش کے وقت سے لے کر شادی کرنے تک ماں باپ کی ذمہ داریوں کو سنت کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور آخری مضمون تعلیم نسواں پر ہے تاکہ ماں کی تعلیم یافتہ ہو کر اولاد کو بھی اپنی گود میں ضروری علم سے آراستہ کر دیں۔

☆☆☆

۵۔ مجملہ مصطلحات حدیث

از: سید احمد زکریا ندوی
ناشر: ادارہ احیائے علم و دعوت (کلیہ الشیاب) ندوہ روڈ، لکھنؤ
۲۰۴ صفحات کی یہ کتاب ۷۰ روپے کی ہے، جس میں علم حدیث کی مصطلحات کو جامع انداز حروف تجزی کے تحت جمع کیا گیا ہے، حدیث شریف کی یہ لائق

Mobile: 9415090544 Shop: 2627446 Res: 2254796

پروپرائٹرز: ولی اللہ

WALIULLAH
JEWELLERS

All Kinds of Gold, Silver
& Diamond Jewellery



ولیا اللہ جوائیلریس

Jutey wali Gali,
Aminabad, Lucknow

Mobile: 9415750289 Shop: 0522-2617956

حرمین بک ڈپو

مسجد پر ویکس کے پرائیویٹ
انٹرنل ایوے ای۔ کلونگی۔ ٹیل اور کونجی پروڈکٹس کے اسپیشلسٹ
حرمین بک ڈپو
پرفیوس انٹیل دوئی

شہر لکھنؤ U.A.E کے مختلف عطریات سے معطر
دکان نمبر 1/6 مسجد مرکز، ڈاکٹری-1 این-ور ماروڈ، امین آباد لکھنؤ

Maqbool Mian
Jewellers

مقبول میاں جوائیلریس

Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow.
Mob: 9415001207-9335726377

Mohd. Irfan

Mob. 9305672501

ARHAM

MEN'S WEAR

Specialist

Sherwani, Jodhpuri Designing Suits

KOREY WALI GALI, NEAR USMANIA MASJID
PATANALA, LUCKNOW

R. U. Khan Ph: 09335810078
09415001164

Label World

لیبل ورلڈ

هر طرح کے کمپیوٹر انٹرڈ وروین لیبل
پرنٹڈ لیبل کمپیوٹر انٹر امبر انڈری کے لئے
Manufactures quality Woven Labels

3, Vidhan Sabha Marg, Hazratganj, Lucknow-01 (U.P.) India
Ph: +91-522-2623625 E-mail: riyazwise@gmail.com

میبی کے قارئین کی خدمت میں



میبی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ
"تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار
بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں،
وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA

44, Haji Building S. V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003

Ph: 23460220-23468708

Tele: Add Cupkettle

CAFE FIRDOS

Partly Air Conditioned

MOGHALAI & CHINESE FOOD

Tel: 23424781-23459921

145, Sarang Street, Crawford Market, Mumbai-400003

Contact:

Mr. M. Afaq : 9919035087
Mr. M. Imran : 941575256
Mr. Zeeshan : 9336726156

Phone: (S) 2616940
(R) 2627443

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز

اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ

Shirts, Trousers, Coats, Embroidered,
Sherwanis, Pullovers, Jackets, Kurta-Suits,
Night Suits, Gown & Ties.

شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں

قابل بھروسہ برانڈ

menmark

Ultimate Men's Clothing

MFG, Wholesale, Export & Retail

58, Halwasia Market, Hazratganj, Lucknow. -226001

صاحب نے مولوی اسماعیل میرٹھی کی کتاب اردو زبان
کی پانچویں کتاب کو سامنے رکھ کر اس کے مشکل
وغریب الفاظ کی تشریح کے طور پر لکھی ہے، مولوی
اسماعیل صاحب میرٹھی کی شخصیت اردو داں حلقہ میں
تعارف کی چنداں محتاج نہیں، پہلے تو اردو سیکھنے کے
لیے انکی ہی شاگردی (ان کی کتابوں کے توسط سے
اختیار کرنی پڑتی تھی) اب تو اور بھی کتابیں سامنے آگئی
ہیں، اچھا کام کیا کہ منشی جی نے اس کو موضوع بنایا،
انہیں چاہئے کہ وہ اپنے اس کام کی تکمیل کریں اور بھی
حصوں کو موضوع بنائیں۔ قیمت درج نہیں ہے۔

☆☆☆

فضائل اعمال پر اعتراضات ایک اصولی جائزہ

از: مولانا عبداللہ محرونی

شائع کردہ: مکتبہ سنجوی، محلہ مفتی، سہارن پور

۱۱۲ صفحات کی یہ کتاب مولانا عبداللہ محرونی استاذ

دارالعلوم دیوبند نے بڑی منصفانہ و محققانہ طرز پر تالیف کی
ہے، اور دلائل سے ان اعتراضات کا تفسی بخش جواب دیا
ہے جو فضائل اعمال پر کئے گئے ہیں، اصولی اور فنی طور پر
بھی یہ کتاب لائق مطالعہ ہے۔ قیمت درج نہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا محمد عارف صاحب کا انتقال

معروف عالم دین جناب مولانا محمد عارف صاحب ۱۲ دسمبر ۲۰۰۸ء کی شب اس دار فانی سے
کوچ کر گئے، ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کا تعلق قصبہ پینٹے پور ضلع سیتاپور سے تھا۔
مولانا بڑے بااخلاق اور ہرگز عزیز شخصیت کے مالک تھے، تواسخ و انکساری، تقویٰ، تعلیم سے
دلچسپی اور مدارس و مکاتب کا جال پھیلانے کا ذہن آپ کی نمایاں صفات ہیں، ان صفات اور تعلیم
سے متعلق بحث و گفتگو میں بڑے مقبول و مشہور تھے، مسلم وغیر مسلم سب آپ کا احترام
کرتے تھے۔ آپ نے علاقے میں عقائد کی بحث کی طرف بھی توجہ دی اور اس میں خاطر خواہ نتائج
بھی سامنے آئے یہ ساری چیزیں دنیا میں آپ کی نیک نامی کا ذریعہ اور آخرت میں باعث
اجرو ثواب ہوں گی۔

مولانا کا ملک کے اکابر علماء اور بزرگان دین سے بڑا گہرا تعلق تھا، شیخ الاسلام مولانا حسین
احمد علی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا قاری محمد صدیق صاحب باندوئی اور
مولانا شاہ عبدالغنی صاحب وغیرہ حضرات سے خاص ربط و عقیدت تھی بطور خاص حضرت
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ندوۃ العلماء سے وابہ تعلق رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو ان کی خدمات کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے
اور مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

تعمیر حیات ہے، طلبہ کے لیے ایک اصولی تحفہ ہے۔

از: مولانا عتیق احمد بستوی قاسمی

شائع کردہ: دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

صفحات: ۳۲، قیمت ۱۵ روپے

حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب کے

مقدمہ کے ساتھ میراث پر جامع ترین رسالہ ہے جسے

استاد محترم مولانا عتیق احمد بستوی صاحب نے مرتب

کیا ہے، اسلام نے عورتوں کو کیا حق وراثت دیا ہے

اور کون عورتیں وارث ہو سکتیں اور کس قدر، پھر یہ کہ

دوسرے مذاہب و قوانین میں عورتوں کے ساتھ اس

معاملہ میں کیا زیادتی کی گئی ہے کبھی کبھی ایجاز کے ساتھ

بیان کر دیا ہے، ضروری ہے کہ ہر گھر میں یہ رسالہ رہے۔

☆☆☆

کتاب شرح نایاب

(اردو زبان کی پانچویں کتاب)

مؤلف: خانصاحب مولوی محمد اسماعیل میرٹھی

شارح: منشی عبدالغفور صاحب

ناشر: دارالنجوٹ والنشر (مرکز احیاء الفکر الاسلامی

منظر آباد، سہارن پور (یوپی)

۳۷۳ صفحات کی یہ کتاب منشی عبدالغفور

☆☆☆

مولانا حکیم نظام الحق صدیقی کا انتقال

قصبہ محمدی ضلع لکھنؤ پورکھیری کی معروف دینی و علمی شخصیت مولانا حکیم نظام الحق
صدیقی (نوٹھ میاں) جتیم ادارہ محمودیہ لکھنؤ پورکھیری کا مورخہ ۲ فروری ۲۰۰۸ء بروز
سنچہ ۸۳ سال کی عمر میں مختصر علالت کے بعد انتقال ہو گیا، ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم تقریباً ۶۰ سال تک اپنے علاقہ میں دینی و ملی اور طبی خدمات انجام دیتے رہے،
اپنے ضلع میں دینی مکاتب و مدارس کا جال بچھا دیا اور اس کی سرپرستی و نگرانی بھی کرتے
رہے، مساجد کی تعمیر میں بھی بڑا حصہ لیتے تھے، تقریباً دو سو سے زائد
مساجد کا سنگ بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھا، آخری مسجد اپنے والد بزرگوار کی النبیہ
مولانا حکیم رمضان الحق کے نام سے اپنے ذاتی خرچ سے تعمیر کرائی اور ۲۶ جنوری
۲۰۰۸ء کو خود نماز پڑھا کر اس کا افتتاح کیا، مولانا اپنے حسن خدمت ملی اور انسانیت
نوازی کے سبب بہت مقبول و ہرگز عزیز تھے، موصوف مولانا محمد رضوان ندوی مرحوم اور
محمد عرفان صاحب کے خسر تھے، پسماندگان میں ۳۴ لاکھ روپے اور ۱۳ لاکھ روپے ہیں، اللہ تعالیٰ
مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

تعمیر حیات - ۱۰ فروری ۲۰۰۸ء